An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगजीन।

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:94ماہ اکتوبر2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

قندیل شعر و سخن انٹرنیشنل مشاعروں میں صدارت کرنے والے معزز ادیب و شعراء

Earlsfield Properties

Professional Residential
Property Management
Services

We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

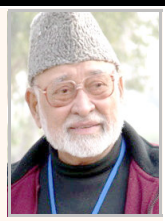

کیا پھر قوم شرمسار ہوئی	رانا عبدالرزاق خان	4
غزلیات: جگر مراد آبادی، ناصر کاظمی، راحت اندوری، محمد علی مضطر عارفی، حنیف تمنا جرمنی۔مبارک عابد، ساقی امروہوی۔مبارک عابد، قتیل شفائی، جمشید مسرور ناروے، سیف علی سیف، طفیل عامر، افتخار راغب قطر، اعظم نوید، فرزانہ فرحت، قیصر شیراز، انصر رضا، گلشن بیابانی، توقیر سید، فیصل منظور کیفی اوکاڑہ، صبغہ راؤ قاتیش، خادم حسین انجم بوبی میاں، رجب چوہدری، یوسف رضا، ڈاکٹر محمد الیاس عاجز، کفیل احمد، بسم اللہ کلیم، اطہر حفیظ فراز، تمثیلہ لطیف، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، ساجد محمود رانا، احکم غازی پوری، ایس ایم تقی حسین، طاہر احمد فن لینڈ، عامر حسنی، ارشاد سندھو، ساجد محمود رانا، میاں کاشف نسیم، ڈاکٹر ظفر جاذب، ڈاکٹر عامر خان، ح م مبرور، مبارک عارف، احمد ستی، عاصی صحرائی، ظفر گورکھپوری، الطاف بخاری، قمر آسی، ساحل، شمسی مینائی		5 تا 16
ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب کا پنجابی زبان پر تبصرہ		17
قندیل شعروسخن کے زیرِ اہتمام عالمی مشاعرہ	منور احمد کنڈے	19
غزل	مصلح الدین راجیکی	20
اسلامی شریعہ کے یہ مفتی اللہ	ادارہ	20
عہد آفرین شاعر جون ایلیا کا اقبال مجیدی کے مجموعہ	ادارہ	23
شمشاد شاد۔ سکینہ مرتضیٰ	غزل	27
شمع اور دہلوی خاندان کا عروج وزوال	معصوم مرادآبادی	28
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	30
ایفائے عہد	عبدالحمید حمیدی کینیڈا	31
دُنیا کا گندہ ترین عدالتی نظام پاکستان کا عدالتی نظام	عاصی صحرائی	32
جہالت اور احسان فراموشی	رجل خوشاب	33
ہماری قوم کا معیار	عاصی صحرائی	33
حیرت انگیز معلومات	ادارہ	34
نواب آف کالاباغ	طلعت رضوی	35
تعارف اثر اکبرآبادی	ادارہ	36
نظریاتی فیم	اے آر خان	36
جاپان جنت	نعیم رانا اسلام آباد	37
قندیل شعروسخن لندن کے زیرِ اہتمام عالمی مشاعرہ	عبدالحمید حمدی کینیڈا	38
جب میں دُنیا سے کوچ کروں گا	شہزادہ قمر الدین مبشر	40
مسکان علی	ادارہ	40
غزل	ڈاکٹر نجمہ شاہید کھوسہ	41

***

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری ونثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔

شکریہ E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

اداریہ: (رانا عبدالرزاق خان)

کیا پھر قوم شرمسار ہوئی...!! گجر پورہ سیالکوٹ موٹروے ریپ

جب سے لاہور گجر پورہ سیالکوٹ موٹروے پر ریپ کے واقعہ کا پتہ چلا ہے تو باضمیر شہریوں کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ساری دنیا اس قوم کے کردار پر تھوتھو کر رہی ہے۔مگر ہماری قوم ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔اس قوم کا اخلاقی معیار اسلامی نہیں بلکہ کفار سے بھی بدتر ہے۔اشرافیہ سو رہی ہے ۔جبہ پوش علمائے سُوخود حجرہ باز ہیں۔اور قوم کی بیٹیوں کے جن نکالنے میں یا حلالہ کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔یا باہم تکفیر کے لئے سرگرم ہیں۔ملک میں تبدیلی آ چکی ہے۔ہر کسی کے ہاتھ میں آئی فون ہے۔جس پر فحاشی کے درس پڑھے اور دیئے جاتے ہیں۔ایک مادر پدر معاشرہ تیار ہو رہا ہے۔یہ بے لگام انبوہِ کثیر حیوانوں کی مانند ایک تباہ کن مستقبل کی طرف رواں دواں ہے۔قوم کے نوجوان کس کو فالو کریں جبکہ ہر طرف بے راہ روّی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔کسی بھی طبقے کی طرف سے کوئی راہنمائی میسر نہیں۔ہیرا پھیری، جعلسازی، حرام خوری ہمارا نصب العین بن چکی ہے۔ دولت کی ہوس نے قوم کو ہلکان کر دیا ہے۔بیرون ممالک کے ویزوں کا بھوت ہر جوان کے سر پر سوار ہے۔جعلی ڈگری اور مانگے تانگے کا علم ہمارا مقصد ہے۔ہمسائے سے ہمسایہ تک محفوظ نہیں بلکہ رشتے دار سے کوئی بھی رشتے دار محفوظ نہیں۔ملاں سے مسجد میں پڑھنے والے بچے بچیاں تک محفوظ نہیں۔راہ گیر عورت یا تن تنہا سفر کرنے والا بھی محفوظ نہیں۔

تکفیری ملاں نے اس ملک کی تصویر میں وہ پلید رنگ بھر دیئے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ساری قوم کو اس طبقے نے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے۔ہر کسی نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے۔کوئی بھی قوم کی تعلیم و تربیت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں۔نفسانفسی کا عالم ہے۔جیسے کہ قرب قیامت ہو۔چین کہنے کو تو ایک کافر ملک ہے ہمارے ملک کی آزادی کے بعد آزاد ہو کر وہ بہت آگے نکل چکا ہے۔اور ہم اسلام کے نعرے زندہ باد سے آگے نہیں بڑھ سکے ۔ملک میں نہ تو قانون کی بالادستی ہے۔نہ اسلام پر عمل ہو رہا ہے اور نہ علم کی ترویج کو ترجیح دی جا رہی ہے۔بنگلہ دیش بھی ہم سے آگے نکل چکا ہے، انڈیا بھی۔ہماری جو پڑھی لکھی قوم ہے وہ ملک چھوڑ رہی ہے۔ہم غیر ممالک میں جا کر اپنے جوہر دکھلا کر دوسری قوموں کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ہمارا ملک غیر ممالک کی ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔دونمبری، کم ناپ تول، ملاوٹ، ہیرا پھیری، جعلسازی ہمارا شعار بن چکا ہے۔سنا ہے کہ ریپ کرنے والے کی سزا نس بندی یا نامردی رکھی جا رہی ہے۔لگتا ہے یہ قوم نصف سے زائد خصی کر دی جائے گی۔کیونکہ ہماری قوم شہوت باز، لونڈے باز، بچے بازی میں سب سے آگے ہے۔ہمارے علمائے سُو بھی اس کے عادی ہیں۔جس طرح کہ مولانا سمیع الحق ایک لونڈے سے موقع پر ہی راہی ملک عدم ہوئے اور امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد سوات کی جیل میں تین سال اسی جرم میں جیل کاٹتے رہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

***

مودبانہ گزارش:: قارئین سے گزارش ہے کہ دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہو گیا ہے۔فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔اس کی تیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔اس لئے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C 04726979

Sort Code 400500

رانا عبدالرزاق خان لندن (M) 0044-7886-304637, 02089449385

غزلیات

جگر مرادآبادی

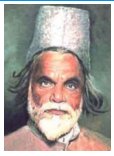

کسی صورت نمود سوز پنہانی نہیں جاتی
بجھا جاتا ہے دل چہرے کی تابانی نہیں جاتی
نہیں جاتی کہاں تک فکر انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی
مزاج اہل دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا
کہ جیسے نکہت گل سے پریشانی نہیں جاتی
بلندی چاہیئے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
کوئی ہو بھیس لیکن شان سلطانی نہیں جاتی
گئے وہ دن کہ دل سرمایہ دار درد پیہم تھا
مگر آنکھوں کی اب تک میر سامانی نہیں جاتی
جسے رونق ترے قدموں نے دے کر چھین لی رونق
وہ لاکھ آباد ہو اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی
وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی
نہیں معلوم کس عالم میں حسن یار دیکھا تھا
کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی
جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضور شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی
محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی
جگرؔ وہ بھی ز سر تا پا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

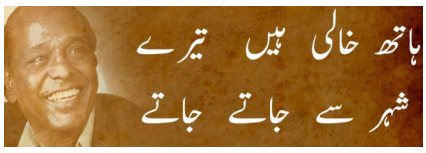

ناصر کاظمی

سر میں جب عشق کا سودا نہ رہا
کیا کہیں زیست میں کیا کیا نہ رہا
اب تو دنیا بھی وہ دنیا نہ رہی
اب ترا دھیان بھی اتنا نہ رہا
قصۂ شوق سناؤں کس کو
رازداری کا زمانا نہ رہا
زندگی جس کی تمنا میں کٹی
وہ مرے حال سے بیگانہ رہا
ڈیرے ڈالے ہیں خزاں نے چودیس
گل تو گل باغ میں کانٹا نہ رہا
دن دہاڑے یہ لہو کی ہولی
خلق کو خوف خدا کا نہ رہا
اب تو سو جاؤ ستم کے مارو
آسماں پر کوئی تارا نہ رہا

راحت اندوری

مرے خلوص کی گہرائی سے نہیں ملتے
یہ جھوٹے لوگ ہیں سچائی سے نہیں ملتے
وہ سب سے ملتے ہوئے ہم سے ملنے آتا ہے
ہم اس طرح کسی ہرجائی سے نہیں ملتے
پُرانے زخم ہیں کافی شمار کرنے کو
سو، اب کِسی بھی شناسائی سے نہیں ملتے
ہیں ساتھ ساتھ مگر فرق ہے مزاجوں کا
مرے قدم مری پرچھائی سے نہیں ملتے
محبتوں کا سبق دے رہے ہیں دُنیا کو
جو عید اپنے سگے بھائی سے نہیں ملتے

محمد علی مضطر عارفی

زخم کریدو، شور کرو، فریاد کرو
بنجر راتیں رو رو کر آباد کرو
سرخ سنہری آگ جلاؤ اشکوں کی
گھر بیٹھے سیرِ اسلام آباد کرو
قاتل ہوں مقتول بھی ہوں مقتل بھی ہوں
کس حیثیت سے بولوں ، ارشاد کرو
ہم بھی پیارے! تیرے چاہنے والے ہیں
آنکھ سے آنکھ ملاؤ، روح کو شاد کرو
ناداں، نالائق ہے عقل سے عاری ہے
عقل کے اندھو! مضطر کو استاد کرو

حنیف تمنا جرمنی

حسرت تھی یار پوچھے تو فر فر کریں بیاں
پوچھے ہے اب وہ حال تو مر مر کریں بیاں
اب بھی نظر میں ناچ رہی ہیں وحشتیں
آسیبِ ہجر آج بھی ڈر ڈر کریں بیاں
وہ کر کے مجھ سے عہدِ وفا ابھی گیا
یہ واقعہ رقیب کو تر تر کریں بیاں
ہم کو ہے تیرے نام کی ہے لاج ورنہ ہم
رُسوا پھرے ہیں کس طرح در در کریں بیاں؟
عنصر، بہم وفا کے ہوئے کیسے منتشر؟

سب راز داں تھے کیمیا گر، گر کریں بیاں
قصہ عذابِ وفا ہجر کا رو رو، لپٹ لپٹ
کچھ مجھ پہ لعن طعن وہ کر کر کریں بیاں
مداح سب رقیبِ تمنّا ہیں ہم بھی آج
راعنائی سراپائے مر مر کریں بیاں

شہزاد

رُخصت ہوا تو آنکھ مِلا کر نہیں گیا
وہ کیوں گیا ہے یہ بھی بتا کر نہیں گیا
وہ یوں گیا کہ بادِ صبا یاد آگئی
احساس تک بھی ہم کو دِلا کر نہیں گیا
یوں لگ رہا ہے جیسے ابھی لوٹ آئے گا
جاتے ہوئے چراغ بُجھا کر نہیں گیا
بس اِک لکیر کھینچ گیا درمیان میں
دیوار راستے میں بنا کر نہیں گیا
شاید وہ مل ہی جائے مگر جستجو ہے شرط
وہ اپنے نقشِ پا تو مِٹا کر نہیں گیا
گھر میں ہے آج تک وہی خوشبو بسی ہوئی
لگتا ہے یوں کہ جیسے وہ آکر نہیں گیا
تب تک تو پھول جیسی ہی تازہ تھی اُس کی یاد
جب تک وہ پتیوں کو جُدا کر نہیں گیا
رہنے دیا نہ اُس نے کسی کام کا مُجھے
اور خاک میں بھی مُجھ کو ملا کر نہیں گیا
ویسی ہی بے طلب ہے ابھی میری زندگی
وہ خار و خس میں آگ لگا کر نہیں گیا
شہزادؔ یہ گِلہ ہی رہا اُس کی ذات سے
جاتے ہوئے وہ کوئی گِلہ کر نہیں گیا

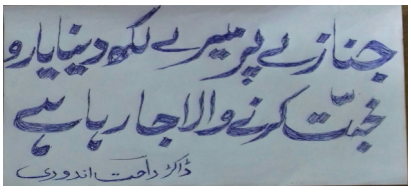

ساقی امروہوی

خدا نے کیوں دل درد آشنا دیا ہے مجھے
اس آگہی نے تو پاگل بنا دیا ہے مجھے
تمہی کو یاد نہ کرتا تو اور کیا کرتا
تمہارے بعد سبھی نے بھلا دیا ہے مجھے
صعوبتوں میں سفر کی کبھی جو نیند آئی
مرے بدن کی تھکن نے اٹھا دیا ہے مجھے
میں وہ چراغ ہوں جو آندھیوں میں روشن تھا
خود اپنے گھر کی ہوا نے بجھا دیا ہے مجھے
بس ایک تحفۂ افلاس کے سوا ساقیؔ
مشقتوں نے مری اور کیا دیا ہے مجھے

مبارک عابد

کون پڑھتا ہے عابد نوکِ مژگاں سے لکھیّ
آتشیں جواں چہرے دل سلگتے انگارے
ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے برف ہو گئے سارے
پاؤں ریگِ ساحل پر زندگی جمائی کیا
وقت کے سمندر کے تیز تر ہوں جب دھارے
دیکھ اُن کی تنگ نظری لے گئی کہاں اُن کو
سوچ بانجھ تھی جن کی ذہن بھی تھے بے چارے
رنگ ان میں انساں کا کم ہی کچھ نظر آیا
آدمی نے دنیا میں روپ تو کئی دھارے
زرّیں ریشمی چادر چاندنی اُوڑھاتی ہے
رات کے سمے سوئیں جب حسین نظّارے
سا یوں کے تعاقب میں چاند تو نہیں ملتا
چھوڑ دے خیال ان کا میرے دل مرے پیارے
کون پڑھتا ہے عابد نوکِ مژگاں سے لکھیّ
آنسوؤں کی صورت میں چشمِ تر کے شہ پارے

قتیل شفائی

لاکھ پردوں میں رہوں بھید مرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
میں نے دیکھا ہے کہ جب میری زباں ڈولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
تیرا اصرار کہ چاہت مری بیتاب نہ ہو
واقف اس غم سے مرا حلق احباب نہ ہو
تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
یہ بھی کیا بات کہ چھپ چھپ کے تجھے پیار کروں
گر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں
جب کسی بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
میں نے اس فکر میں کاٹیں کئی راتیں کئی دن
میرے شعروں میں ترا نام نہ آئے لیکن
جب تیری سانس میری سانس میں رس گھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
تیرے جلووں کا ہے پرتو میری اک ایک غزل
تو میرے جسم کا سایہ ہے تو کترا کے نہ چل
پردہ داری تو خود اپنا ہی بھرم کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

جمشید مسرور ناروے

کشمکش ہائے دستیاب کے ساتھ
جاگنا ہے ہمیں بھی خواب کے ساتھ
لگ کے چپ چاپ سوچتا ہوں میں
ایک دیوارِ اضطراب کے ساتھ
اس قدر تیز تھی ہوا شب کو

چاند ہلتا رہا گلاب کے ساتھ
دھند کے پاس شام بیٹھی ہوئی
شہر لپٹا ہوا سراب کے ساتھ
بارشوں نے ملا دیئے سارے
رنگ رکھے ہوئے حساب کے ساتھ
اتنی ایماندار تھی اُسنے
پھول واپس کیا کتاب کے ساتھ
میں بھی کچھ مردہ تتلیوں میں ملا
ایک بکھری ہوئی کتاب کے ساتھ
میری موجودگی کے خوف میں بھی
سانپ لپٹا رہا گلاب کے ساتھ
پیاس کا اہتمام ہیں جمشید
چند شرطیں حصول آب کے ساتھ

سیف علی سیف

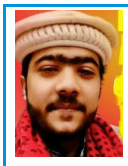

کوئی ملتی ہے جب خوشی ہم کو
خواب لگتی ہے زندگی ہم کو
ہم اگر خود نہ توڑتے چپ کو
چاٹ لیتی یہ خامشی ہم کو
لفظ بنتے تھے حوصلہ دل کا
شاد رکھتی تھی شاعری ہم کو
تم اگر ہاتھ تھام کر رکھتے
زیر کرتی نہ زندگی ہم کو
زخم دل کے مہکنے لگتے ہیں
یاد آتی ہے جب تری ہم کو
ہاتھ آنکھوں سے جب ہٹاتے ہو
گھیر لیتی ہے تیرگی ہم کو

مزہ چکھا کے ہی مانا ہوں میں بھی دنیا کو
سمجھ رہی تھی کہ ایسے ہی چھوڑ دوں گا اسے

Sadpoetry.org

طفیل عامر

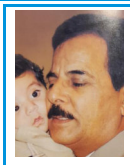

خوشبو کے توسط سے مکاں بول رہا ہے
اب بات رہی اس کی کہاں بول رہا ہے
حاسد تھے وہ دشمن تھے مگر غیر نہیں تھے
وہ بھائی تھے لوگو! یہ کنواں بول رہا ہے
ہیں شعلہ بدن معنی میں الفاظ تو دیکھو
ہے آگ لگی اٹھتا دھواں بول رہا ہے
پوشیدہ کبھی رہتا ہے معصوم کا خوں بھی
ہر قطرہء خوں بن کے نشاں بول رہا ہے
آجائے گا شاید، کہ نہیں آئیگا شاید
ٹوٹا ہے بھرم کب کا، گماں بول رہا ہے
کہنا تھا مجھے تو نے وہ سب سن لیا میں نے
اتنا تو بتا کس کی زباں بول رہا ہے
دھوکا بھی یہی آنکھیں تو کھا جاتی ہیں عامرؔ
آنکھوں کے ترازو میں زیاں بول رہا ہے!

افتخار راغبؔ دوحہ قطر

فرطِ وحشت نہ بدحواسی ہے
پھر بھی کیوں خوش مری اداسی ہے
تیری چشمِ کرم نے سمجھایا
خود فریبی ہی خود شناسی ہے
تیری آنکھوں میں ہے شعاعِ کیف
تیری مسکان کیمیا سی ہے
خوش لباسی سے چھپ سکے گی کیا
ذہن و دل میں جو بے لباسی ہے
اب بکھر جائے روح تک نہ مری
تیری کھڑکی میں جو اداسی ہے
پاسدارِ وفا کے بخت میں کیا
بد حواسی ہی بد حواسی ہے
کون سمجھے گا کرب دریا کا
جسم سیراب روح پیاسی ہے
اُن کو خوش دیکھ کر ہوں خوش راغبؔ
پھر بھی تکلیف اک ذرا سی ہے

اعظم نوید

اس کے نینوں میں رتجگے دیکھوں
زندگی تیرے حاشیے دیکھوں
ہائے یہ کس طرح کی ہے دنیا
پاس اندھوں کے آئینے دیکھوں
ہر طرف قحط ہے وفاؤں کا
پیار کے پھر بھی زمزمے دیکھوں
اک عجب وقت ہے زمانے میں
ہر طرف روز حادثے دیکھوں
چین پڑتا نہیں کسی لمحے
آگہی تیرے فلسفے دیکھوں
تیرگی پھر بھی بڑھتی جاتی ہے
روشنی کے بہت دیئے دیکھوں
ہر کوئی اپنے مَن کا ہے رسیا
زندگی تیرے زاویے دیکھوں
خُوں ہوا ہے سفید انساں کا
مِٹ گئے دل سے رابطے دیکھوں
نفسا نفسی کا ہے عجب عالم
درد کے سارے راستے دیکھوں
ناز کرتی تھی جس پہ اک دنیا
اس محبت کے خوانچے دیکھوں
ہو گئی گنگ اب زباں اعظم
صبر کے چُھپ کے حوصلے دیکھوں

فرزانہ فرحت

ایسے بچھڑا ہے کہ امکاں نہیں ملنے والا
وہ جو اک شخص مرے ساتھ تھا چلنے والا
آخری اس کی نظر ایسی تھی جاتے جاتے
میرے پہلو سے مرا دل تھا نکلنے والا
اب میں تنہائی کے لمحوں میں کھڑی سوچتی ہوں
وہ جو میرا تھا مجھے اب نہیں ملنے والا
یہ لہو اس کے بھی دامن کو بھگو سکتا ہے
یہی آسیب اسے بھی ہے نگلنے والا
ایک چنگاری جو اس دل میں دبی رہتی ہے
اب اسی آگ سے اک شہر ہے جلنے والا
تو نشے میں ہے تجھے کیسے خبر ہو اے دوست
آستیں میں تری اک سانپ ہے پلنے والا
دن بدل جائے گا اور وقت بدل جائے گا
رات کے بعد نیا دن ہے نکلنے والا
میری تقدیر بدل جانے پہ حیراں ہے تو
اب مقدر پہ تیرا بس نہیں چلنے والا
گر وہ تیرا ہے تو لوٹ آئے گا اک دن فرحتؔ
غم کا سورج بھی ہے کچھ روز میں ڈھلنے والا

قیصر شیراز

دِلِ مضطرب بتا تو کوئی حرفِ گردِ یارا
مجھے اذن ہو میسر کہ میں جی اٹھوں دوبارا
ابھی دسترس میں ہوں تو مجھے دیکھ لے نظر بھر
ترے شوقِ دیدِ تر تک کہیں بجھ نہ جائے تارا
یہ گریز پائی کیونکر زرا ناز سے قدم لو
غمِ دردِ دل نئے ہیں نہ ہی سنگ وخشت خارا
میں وہ جزوِ آئینہ ہوں جسے نقش ڈھونڈنے ہیں
مجھے تم بلند کرکے کہیں چھوڑ دو خدارا
جو قرار ڈھونڈتا میں تو وصال مانگتا پھر
مجھے ذوقِ غم نوائی تھی نہ آرزوئے چارا
ترے جاد طلب میں یہ سبھی غبارِ خاطر
جونہی سر بہ سر ہوئے تو میں نے چشمِ نم پسارا
وہ طبیبِ جاں کدھر ہے اسے دے خبر کوئی تو
مرے دکھ لپیٹے سارے مرا غم سمیٹے سارا

انصر رضا

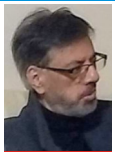

وہ جس زمین پہ رکھ کے قدم کھڑا ہوا ہے
ہے آسماں میرے شانوں پہ جو دھرا ہوا ہے
سُنا رہا ہوں کہانی وہ کسی اور کی ہے
جو پڑھ رہا ہوں کسی اور کا لکھا ہوا ہے
جو میرے پاس ہے اُس میں سے کچھ نہیں میرا
جو بانٹتا ہوں اُسی کا ہی سب دیا ہوا ہے
میں جس نگر سے ہوں نکلا وہ ساتھ ہے میرے
وجود اُس کا ابھی تک اُدھر پڑا ہوا ہے
تمہیں کسی نے بھی دیکھا نہیں ہے ساتھ مرے
تو کیوں جبیں پہ پسینہ ہے رنگ اُڑا ہوا ہے
تو پڑھتے پڑھتے جہاں رُک گیا تھا اے قاری
کتاب ہستی کا صفحہ وہیں مڑا ہوا ہے
ہے آسمان میں مسجود زمیں پہ ساجد
رضا تو سجدے میں اُس سے مگر جُڑا ہوا ہے

گلشن بیابانی

جنونِ شوق کو خود پر سوار کیا کرنا
کھلی ہے دھوپ تو تارے شمار کیا کرنا
رہا نہ کوئی مقابل تو یار کیا کرنا
غلط ہے، اپنے سائے پہ وار کیا کرنا
غمِ نہاں کو ابھی آشکار کیا کرنا
نگاہِ یار کو یوں اشکبار کیا کرنا
لہر لہر میں ذرا جوش اسکی بھرنے دو
''ابھی تھما ہوا دریا ہے پار کیا کرنا''
بِنا پَروں کے بھی اُڑنے کا حوصلہ ہے اگر
پَروں پہ اپنے بھی اب انحصار کیا کرنا
ہماری راہ میں کانٹے بچھانے والے کا
بچھا آنکھیں بھلا انتظار کیا کرنا
جلا کر راکھ جو کردے کلی کلی، گلشن
بتائے کوئی کہ ایسی بہار کیا کرنا

توقیر سیّد

تمھیں ادراک کیا میرا ہے من آنم کہ من دانم
کہاں مسکن ہے کیا ڈیرا ہے من آنم کہ من دانم
مرے چاروں طرف تاریکیاں ہیں اک زمانے کی
مجھے ظلمات نے گھیرا ہے من آنم کہ من دانم
میں اپنی ذات میں دنیا بھی ہوں تنہا بھی محفل بھی
تو اس میں جرم کیا میرا ہے من آنم کہ من دانم
مجھے معلوم ہے کیسے سفینے کو بچایا ہے
یہ رخ طوفاں نے کیوں پھیرا ہے من آنم کہ من دانم
کسی کے ہاتھ میں کب وقت کا ہتھیار آیا ہے
نہ یہ میرا ہے نہ تیرا ہے من آنم کہ من دانم
جو تو نے دے دیا مجھ کو محبت کے خزانوں سے
مجھے تو قیرؔ بہتیرا ہے من آنم کہ من دانم

فیصل منظور کیفی اوکاڑہ

سڑ گئے نیں پروانے لکھاں
فر وی نیں دیوانے لکھاں
اس نوں کملا روز اڈیکے

جس دے کول بہانے لکھاں
سینے عشق دھلاں پاوے
ساہواں وچ ترانے لکھاں
آپو اپنی سولی چڑھنا
بھانویں ہون یارانے لکھاں
تیرے ورگے کیفی ایتھے
دتے مار زمانے لکھاں

صبغہ راؤ (قاقیش)

وہ جو لوگ دل کے نواب تھے وہ نہیں رہے
وہ جو چاہتوں کے نصاب تھے وہ نہیں رہے
وہ جو ساری خوشیاں تلاشتے رہے مری طرح
وہی مہر و آب و تاب تھے وہ نہیں رہے
وہ جو مجنوں بن کے یوں گھومتے تھے برہنہ پا
وہی لوگ خانہ خراب تھے وہ نہیں رہے
وہ جو ظلم جن کو جفا سمجھ کر ہی سہہ گئے
وہی ہم پہ طاری عذاب تھے ،وہ نہیں رہے
وہی جو وفا کے یوں گیت گاتے نہیں تھکتے
وہ ضرورتوں کے عتاب تھے وہ نہیں رہے
وہ جو درد بن کے چمک رہے تھے حروفِ خوں
وہی روح پہ لکھی کتاب تھے وہ نہیں رہے
دیے تیرے در پہ جلا کے ہم نے بجھا دیے
کبھی یہ بھی لگتا ثواب تھے وہ نہیں رہے

خادم حسین انجم بوبی میاں

میں وی کیتا پیار غزل نوں
کیتا سو سو وار غزل نوں
بڑے پیارے اکھراں دے نال
کیتا میں تیار غزل نوں
پکا گھڑا جے ہندا اوتھے
لے جاند اپھر پار غزل نوں
اوہنے اپنیاں گُندھ کے زلفاں
دتا ہار شنگھار غزل نوں
جد اکھیاں وچ پائیاں اکھیاں
آیا فر خمار غزل نوں
سو ہنی سسی ہیر میں آکھاں
کر دتا شہکار غزل نوں
جند جوانی لادیاں نانویں
جے آوے اتبار غزل نوں
پیار دی دولت دے کے خادم
کیتا میں زردار غزل نوں

رجب چوہدری

بقا کی داستاں کا آخری کردار کیا ہوگا
پسِ مرگِ وفا ہم سے کوئی بیزار کیا ہوگا
شمارعصیاں کا کرنے میں شبِ عمرِرواں گذری
طلوعِ صبحِ برزخ میں کوئی اب کا رکیا ہوگا
کریدے جو حروفِ راز تو شرمندگی ہوگی
لحد میں لیٹنے والوں کا کاروبار کیا ہوگا
مرا جی چاہتا ہے میں قیامت تک رہوں زندہ
بھلا اس سے زیادہ زندگی سے پیار کیا ہوگا
سنا ہے سخت مشکل ہے سوال اعمال نامے کا
شفیعِ محشر آجائیں تو پھر دشوار کیا ہوگا
محبت تو وطیرہ ہے رجبؔ اللہ کے ولیوں کا
اگر یہ مجھ کو ہو جائے تو پھر سرکار کیا ہوگا

اسحاق ساجد جرمنی

لے مری جان عمر بھر کے لئے
تری دنیا سے جارہا ہوں میں
کیا حقیقت ہے کیا فسانہ ہے
آج یہ راز میں نے جانا ہے
جس نے دھوکا دیا محبت میں
اس کو دل سے بُھلا رہا ہوں میں
تری دنیا سے
توڑ کر ترے پیار کی زنجیر
تری نفرت کے دل میں لے تیر
جو بنایا وفا کا تاج محل
آج خود اس کو ڈھا رہا ہوں میں
تری دنیا سے
تری محفل سے بدگماں ہوکر
درد کا سر پہ آسماں ڈھوکر
مرثیہ لکھ کے اپنی الفت کا
ساز پہ غم کے گا رہا ہوں میں
تری دنیا سے
تپتے صحراؤ،سوتے ویرانوں
شمع کی لو میں جلے پروانوں
چھوڑ کر جھوٹے پیار کی دنیا
اب ترے پاس آرہا ہوں میں
تری دنیا سے

یوسف رضا

گھر سے نکلا تھا بدن انجانے اندیشوں کے بیچ
زرد پھولوں کے نگر میں آہنی تیشوں کے بیچ
ایک عالم تھا رواں خاموش سائے کی طرح
اور دل تھا مضطرب پھر مست درویشوں کے بیچ
لوگ ناحق ڈھونڈنے نکلے پھرے دشت و چمن
میں مقید ہی رہا بے رنگ سے شیشوں کے بیچ
بات سادہ مختصر اور استعاروں سے سجی

ہے کہانی اور کچھ ان نرم سے گوشوں کے بیچ
کیا گواہی دے سکے گا کورے کاغذ کی کوئی
تھا قلم آزاد لیکن مصلحت کوشوں کے بیچ
پھر محبت مانگنے نکلے ہیں وہ یوسف رضا
وہ جو شاداں پھر رہے تھے آہنی پوشوں کے بیچ

ڈاکٹر محمد الیاس عاجز

مجھ کو دل سے بھی چاہتے ہیں آپ
ہاتھ اُن کا بھی تھامتے ہیں آپ
روگ بھی آپ کو نہیں کوئی
رات بھر پھر کیوں جاگتے ہیں آپ
ساری نفرت مرے لیے اُن کو
خواب میں بھی پُکارتے ہیں آپ
ساتھ مرنے کی بھی قسم کھائی
پیچھے پھر اُن کے بھاگتے ہیں آپ
مول کوئی نہیں محبت کا
پھر وفا اپنی بیچتے ہیں آپ
توڑ کر آئینہ دل میرا
بیٹھ کر خود ہی جوڑتے ہیں آپ
کرکے مجھ سے دغا محبت میں
پھر وفا میری جانچتے ہیں آپ
ساتھ دے کر رقیب کا برسوں
پھر مجھے ہی پچھاڑتے ہیں آپ
فکر کوئی نہیں مجھے بھی خیر
آج کس کو نوازتے ہیں آپ

کفیل احمد

چمکتا رہے یونہی آنگن ہمارا
ستاروں سے بھر جائے دامن ہمارا
رہیں خوشیاں دائم ہمارے چمن میں
مہکتا رہے بس یہ مسکن ہمارا
صنم کتنا سجتا ہے تم پر یہ زیور
یہ جھومر یہ بالی یہ کنگن ہمارا
ذرا تم ہنسو تو یہ کلیاں کھلیں گی
اگر روٹھ جاؤ تو گرہن ہمارا
ہمیں اس وطن سے ہے از حد محبت
دلوں میں دھڑکتا نشیمن ہمارا
سبھی ڈور ہوتی ہے کمزور لیکن
نہ ٹوٹے کبھی بھی یہ بندھن ہمارا
بہاروں کے دن اب تو آنے لگے ہیں
چلو سب سجائیں یہ گلشن ہمارا

بسم اللہ کلیم

دین، دھرم
یہ مُلّاں، قاضی
مُرشد، پیر، امام
رَب سے بچھڑے
رَب سے ٹوٹے
آوارہ بے سمت بگُولے
مُجھے اُٹھانے آجاتے ہیں
رَب کے دیس میں
لے جانے کی آس دِلا کر
مٹی سے دوری کی جانب
مُجھے اُڑانے آجاتے ہیں
میری ساری عقل کی پونجی
لُوٹ کھسُوٹ کے لے جاتے ہیں
جیسے کسی غریب کِسان کے
اکلوتے بیٹے کو ایجنٹ
امریکہ کے ویزے کی اُمید دِلا کر
بَیل تلک بِکوا دیتے ہیں
لیکن میں یہ جان چکا ہوں
رَب کا کوئی دیس نہیں ہے
اُس کی کوئی سمت نہیں
پر...! ساری سمتیں اُس کی ہیں
اور میں...! میں ہوں
رَب کے ہاتھ کی مالا کا اِک مَنکا
ایک نہ اِک دِن اُس کی اُنگلی
میرے مَن کو چھُو جاؤ گی
لیکن مُجھ کو کیا کرنا ہے؟
مُجھ کو تو بس مالا کی ڈوری سے
چپکے رہنا ہے
اگر کہیں ڈوری سے ٹوٹا
رَب سے بچھڑا
تو پھر میں بھی
آوارہ بے سمت بگولا ہو جاؤں گا...!

لاک ڈاؤن، کرفیو اور محبت

اطہر حفیظ فراز

جزیروں سے جو نکلے وہ صبا کب قید ہوتی ہے
پہاڑوں سے گزرتی یہ ہوا کب قید ہوتی ہے
ارے پگلی!! ارے ناداں!! وفا کب قید ہوتی ہے
محبت لاک ڈاؤن سے بھلا کب قید ہوتی ہے
محبت اپنی راہوں پہ منازل خود بناتی ہے
جہاں مانے یا نہ مانے، محبت جیت جاتی ہے
کبھی لیلی کے قصوں کی محبت ترجمانی ہے
کبھی شیریں کے اشکوں سے یہ لکھتی اک کہانی ہے
کبھی سسی، کبھی سوہنی کے جذبوں کی روانی ہے
محبت اک حقیقت ہے، نہ افسانہ کہانی ہے
یہ دریا کے کناروں پہ کبھی آباد ہوتی ہے

محبت کرفیو میں بھی بہت آزاد ہوتی ہے
محبت تیز لہروں میں بنا پتوار جاتی ہے
محبت اب کبوتر کے بنا اس پار جاتی ہے
محبت برق پہ بیٹھی جو کوئے یار جاتی ہے
محبت روپ دنیا میں نیا اک دھار جاتی ہے
محبت ان خلاؤں سے بسرعت اب گزرتی ہے
محبت ریڈیائی ہے، شعاعوں پہ سنورتی ہے
دکانوں پہ لگے تالے، لبوں سے جام آتے ہیں
مقفل آج گلشن ہیں، مگر گلفام آتے ہیں
خموشی ہی مناسب ہے، یہاں کچھ نام آتے ہیں
دریچے بند، گلی ویراں، مگر پیغام آتے ہیں
نئی ایجاد کے صدقے!! صدا، تحریر آتی ہے
وہ خود آئے یا نہ آئے مگر تصویر آتی ہے

تمثیلہ لطیف

اسے اتنا ہی سمجھاؤ محبت مر نہیں سکتی
اسے واپس بلا لاؤ محبت مر نہیں سکتی
یہی اپنا عقیدہ ہے یہی ہے تجربہ اپنا
کسی کو بھول بھی جاؤ محبت مر نہیں سکتی
ہماری ذات سے نفرت تمہاری گو یہ عادت ہے
ہمیں جتنا بھی تڑپاؤ محبت مر نہیں سکتی
ہمیں اہلِ زمانہ سے فقط اتنا ہی کہنا ہے
چلو جتنے ستم ڈھاؤ محبت مر نہیں سکتی
ہمیں یوں چھوڑ کر اب بھی اگر پچھتا رہے ہو تم
ارے پاگل پلٹ آؤ محبت مر نہیں سکتی
بڑے اونچے گھرانے سے تعلق ہے تو پھر سن لو
بس اپنے دل کو بہلاؤ محبت مر نہیں سکتی
جو دل پر زخم ہیں ان کو ہرا کچھ اور ہونے دو
نمک تم لاکھ چھڑکاؤ محبت مر نہیں سکتی
اسے کہنا کہ تمثیلہ تمہیں کب بھول سکتی ہے
مجھے نہ اور تڑپاؤ محبت مر نہیں سکتی

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ہماری بات بھی ان کو کبھی درست لگی
عجب ہوا وہ کہانی سبھی درست لگی
وہ بات کہنا جو چاہی مگر میں کہہ نہ سکا
مری یہ بات ہی ان کو ابھی درست لگی
کہا جو آپ نے بالکل وہ سب درست سہی
مگر وہ بات جو دل نے کہی درست لگی
حسین چہرے تو ہر خاص و عام دیکھتا ہے
نظر جو شوق سے دل پر پڑی درست لگی
وہ لفظ لب پہ جو آئے تو بن گئے جادو
وہ لہجہ دھیما سا وہ نغمگی درست لگی
کہی جو بات تو کانوں میں رس وہ گھول گئی
جو اس نے روک لی اپنی ہنسی درست لگی
تمام عمر جسے ہم نے دلربا جانا
تو پھر اسی کی ہمیں پیروی درست لگی
اسی کے ہو گئے ہم جس پہ دل لُٹا بیٹھے
کوئی نہ اور ہمیں دل لگی درست لگی
تُو کامیاب ہوا، لوگ بن سنور آئے
کہ طارق آج تری سادگی درست لگی

احکم غازی پوری

آپ وہ پھول ہیں، جس کا کوئی ثانی بھی نہیں
آپ کے جیسی حسیں، رات کی رانی بھی نہیں
ہاتھ اس کو نہ لگا پھول سمجھ کر گلچیں
یہ تو کمسن ہے ابھی اس پہ جوانی بھی نہیں
مجھ سے جو دور ہے اب یاد اسے کیا کرنا
قلب کے باغ میں تو، اسکی کہانی بھی نہیں
صرف اظہارِ محبت ہے لبِ نازک پر
آج تک پیار کی دی، تو نے نشانی بھی نہیں
کس طرح تیری طبیعت بھلا میں بہلاؤں
کوئی تعبیر نہیں، کوئی کہانی بھی نہیں
غیر سے حسن کی خیرات بھلا کیوں مانگوں
تیرے جیسا کوئی محسن، کوئی دانی بھی نہیں
دورِ طفلی میں بھی گزرا ہوں رہِ مشکل سے
اور پھر چین سے گزری یہ جوانی بھی نہیں
فکر وہ سب کی کرے سب کی وہ جھولی بھر دے
اے سیاست تو ابھی اتنی سیانی بھی نہیں
ہاتھ بھی کاٹ لیا، منہ پر لگے ہیں تالے
لکھ تو سکتا نہیں، کہہ سکتا زبانی بھی نہیں
میرے معشوق نے یوں وار کیا ہے احکم
موت آئی ہے وہاں پر، جہاں پانی بھی نہیں

ایس ایم تقی حسین

آتش ہوں کہ پانی ہوں سمندر ہوں کہ بر ہوں
اٹھتے ہوئے شعلوں کی لپک زیر و زبر ہوں
کیوں ہے ضدِ طفلی تجھے بچپن کی عمر میں
تو دیکھ پچھتر میں بھی میں خاک بسر ہوں
اٹھتا ہے کلیجے سے دھواں اس طرح میرے
میں خاک بنا رقص کناں راہ گذر ہوں
تنہاء میں تنہا آذیت ہے قفس میں
میں وقت کا قیدی ہوں، شام ہوں نا سحر ہوں
رنگوں کا سمندر تھا، کہ میں قوس قزح تھا
مٹ کر بھی مری جان، میں اب تیری نذر ہوں
آتا نہیں کوئی یہاں مرقد پہ تقی کے
کیا پوچھتے ہو حال یاں مٹی پہ مہر ہوں

طاہر احمد فن لینڈ

وقتِ مُلاقاتِ پیتم گرنہ حائل ہوتا
تو شاید تیری طرف میں مائل ہوتا
کیسیٰ بنٹ رہیں ہیں یہ اُلفتیں تیری
کاش میں بھی پیشے میں تیرا سائل ہوتا
تیری باہنیں گر مانندِ تعویذ بنی رہتیں
محبت کا اثر شایدنہ کبھی زائل ہوتا
جس قہر سے تانا تھا تو نے نِشانہ مُجھ پر
چُوک جاتا تو ضرورکوئی اورگھائل ہوتا
جوسَہی نہ ہوتی تیری دریدہ دہنی میں نے
تو خوش کلامی کا میں بھی تیری قائل ہوتا
جھُکا نالیا ہوتا گر خدا نے اپنے در پر
کیا خبر تو میرا اور طاہر تیرا نائل ہوتا

حالات حاضرہ پاکستان پر
عامر حسنی

کن کی باتوں میں آ رہے ہیں آپ
پینگ کن سے بڑھا رہے ہیں آپ
ظالموں کے لیے کھلی چھٹی
ظلم ہم پر یہ ڈھا رہے ہیں آپ
ان کو سر پر چڑھا کے آئے روز
دل ہمارا دکھا رہے ہیں آپ
قاتلوں کو بھی اب تحفظ ہو
کیسی پٹی پڑھا رہے ہیں آپ
کاٹنا کس کو چھوڑنا کس کو
جانور کچھ سدھا رہے ہیں آپ
کیا سمجھتے ہیں اس طرح سے اب
بیل منڈھے چڑھا رہے ہیں آپ؟
وہ جو پہلے ہی بددیانت ہیں
ان کو کیا کیا سکھا رہے ہیں آپ
جو بھی وعدے کیے تھے توڑ دیے
دین اپنا، بھلا رہے ہیں آپ
اچھے اچھوں کو جس نے لٹکایا
جان اس سے لڑا رہے ہیں آپ
آپ کی بھول ہے کہ اس ڈھب سے
اپنی عزت بڑھا رہے ہیں آپ
جانتے ہیں سبھی یہ عامرؔ جی
ہاتھ اپنے دکھا رہے ہیں آپ

ارشاد سندھو

اک سجّن ہوندا سی
زہراں وِچ پتاسّے ورگا
سُرمے سکّ دنداسّے ورگا
دُکھاں وِچ دلاسے ورگا
سجّرے چنّ دے ہاسّے ورگا
اِک سجّن ہوندا سی
الھڑّ شوخ ہواواں ورگّا
دُھپاں دے وِچ چھاواں ورگا
اوکھے ویلّے بانہواں ورگا
اَٹھے پہر دُعاواں ورگا

ساجد محمود رانا

حاکمِ شہر نے غرباء کی حمایت کی ہے
مار ڈالا ہے اُسے جس نے شکایت کی ہے
قید کروائے گا کشکول سمیت ایک فقیر
جس کے ہر جرم کی پیسے نے وکالت کی ہے
میں مسلمان نہیں مجھ کو پکارو کافر
میں نے مذہب نہیں انساں سے محبت کی ہے
کب عداوت سے ہے تسخیر ہوا کوئی جہاں
دیکھ دنیا پہ محبت نے حکومت کی ہے
یہ الگ بات کہ انسان کی قیمت نہ رہی
ہم نے اسلام کی بھرپور حفاظت کی ہے
میرے مذہب میں ہے انسان مقدم سب سے
میں نے اللہ سے محمدؐ سے عقیدت کی ہے
اس لیے بنتا ہے سولی پہ لٹکنا میرا
میں نے واعظ کی سرِ عام شکایت کی ہے
ظلم کی شاہی کو ٹھوکر پہ ہے رکھا ساجدؔ
اور مظلوم رعایا سے محبت کی ہے

میاں کاشف نسیم

کوفے والوں کی طرح تم مکر جاؤ گے
بے وفاؤں کی طرح تم گزر جاؤ گے
کیا سمجھتے ہو حسین تمہارے ہیں
ہائے اسی حسرت سے تم مر جاؤ گے
اک سمندر موجزن ہے مرے سینے میں
دکھاؤں کیا، رہنے دو ڈر جاؤ گے
ہم حسینی ہیں اور حسینی رہیں گے
اب بازی ہماری ہے تم ہر جاؤ گے
اب بہتر بڑھتے بڑھتے بڑھ گئے وہ
دوڑو دیکھتے ہیں کدھر جاؤ گے
یزید تو دنیا کا کیڑا تھا اور بس
قیامت تک یہ ثابت تم کر جاؤ گے
یاد رکھ نوکر ہیں ہم آل مصطفی کے
ہم رہیں گے ساتھ، تم گھر جاؤ گے
بخدا تم توڑ دو بغض انا کے بت کدے
ایک ہو جاؤ وگرنہ، بکھر جاؤ گے
نینوں کے جھروکے ہیں اشکبار کوئی تو روکے

اذیّتوں کے یہ حملے باربار کوئی تو روکے
محبتوں کے گھروندے توٹوٹے ہی جارہے ہیں
نفرتوں کی یہ یلغار کوئی تو روکے
بیگانگی و دوریاں کیوں بڑھتی ہی جا رہی ہیں
دلوں کے یہ خلفشار کوئی تو روکے
ڈور رشتوں کی اب اُلجھتی ہی جا رہی ہے
تلخیوں کی آئی یہ دراڑ کوئی تو روکے
یادِ ماضی تو اب عذاب ہی بنتی جا رہی ہے
یادوں کا یہ حصار کوئی تو روکے
صورت اُن کی نگاہوں سے ہٹتی نہیں ایک پل بھی
ہر پل کا یہ دیدار کوئی تو روکے
یہاں وہاں دور تلک نظر نہ آئے اب صنم
ویرانیوں کے یہ انبار کوئی تو روکے
آتی جاتی سانسوں کی سرگم ہے زندگی اب
پل پل بہتی یہ آبشار کوئی تو روکے

ڈاکٹر ظفر جاذب

ہوئی یہ نم جو مری آنکھ ان کے غم سے ہے
یہی ثبوت ہے اسلام ان کے دم سے ہے
مجھے یقیں ہے اگر دین آج زندہ ہے
حسین آپ کی عظمت سے ہے، کرم سے ہے
ہمیں عزیز ہے جس کو ہے آپ سے نسبت
اسی لئے تو عقیدت ہمیں علم سے ہے
لبوں کو ان کے ترستا ہے آج بھی پانی
یہ بدنصیب تو پیاسا جنم، جنم سے ہے
زمانہ صدیوں سے دیتا رہا ہے غم جاذبؔ
غم زمانہ سے گہرا یہ غم قسم سے ہے

ڈاکٹر عامر خان

لباس کی تلاش ہے کوئی لباس چاہئے
ہمیں بھی تنکوڑھانپنا ہے کچھ کپاس چاہئے
جگہ جگہ ببول ہیں کہیں کہیں پہ پھول ہیں
اگر ہو گل، تو دلپذیر رنگ و باس چاہیئے
جتا رہے ہو آفتاب سے یہ تم جو نسبتیں
جو چاند ہو، تو روشنی کا انعکاس چاہیے
اکھڑ رہے ہیں جڑ سے ہم، فروع کی تلاش میں
خدایا اب قرار دے ہمیں اساس چاہیے
یہ ہیں عبادتوں کے دن تو رب کی رحمتوں کو گن
تری زباں پہ ہر گھڑی فقط سپاس چاہیے
جو چاہتے ہو جیتنا سبھی دلوں کی بستیاں
زبان پاک صاف میں ذرا مٹھاس چاہیے
شراب عشق ہے بہم، کرو نہ اب ذرا بھی غم
اے عامر حزیں تمہیں بس اک گلاس چاہیے

ساجد محمود رانا

جوانی ڈھونڈتا ہوں میں
جوانی ڈھونڈتا ہوں میں
کہیں بھی کچھ نہیں باقی
کہیں رشتوں میں چاہت میں
کہیں ناکام حسرت میں
کہیں مرجھائی خواہش میں
کہیں زخموں کی بارش میں
کہیں مجبور دھڑکن میں
جو جانے کیسے چلتی ہے
سمے کی گود بھی خالی
جہاں جیون گزارا ہے
نہ سالوں میں مہینوں میں
نہ راتوں میں اُجالوں میں
کہیں احساس لرزاں ہے
کہیں چاہت تڑپتی ہے
کہیں ارمان زخمی ہیں
کہیں پر مان ہیں ٹوٹے
محبت بھی نہیں ملتی
سبھی کچھ کھا گیا لالچ
کہیں بھی کچھ نہیں باقی
مگر اک درد کے صدقے
کہیں احساس ہے مجھ میں
ابھی جو سانس لیتا ہے
مجھے اک آس دیتا ہے
ابھی مجھ کو سمجھنا ہے
کہ زندہ کیسے رہتے ہیں
مجھے تو دیس بھی پردیس
اب محسوس ہوتا ہے
نہ یہ اب دیس میرا ہے
نہ اب وہ دیس میرا ہے
کہ وحشت چار سو پھیلی
اندھیرا ہی اندھیرا ہے
میں کب کا مر چکا لیکن
ابھی بھی جان ہے باقی
یہ خستہ سا بدن میرا
ابھی برداشت کرتا ہے
گماں اک مجھ سے کہتا ہے
ابھی زندہ ہوں میں شاید
ابھی میں سانس لیتا ہوں
اگر زندہ ہوں میں اب تک
تو پھر محسوس کیوں مجھ کو
نہ اب یہ درد ہوتا ہے
نہ اب تکلیف ہوتی ہے

میری ارضِ

حافظ مبرور

آج پوچھوں میں یہ میری ارضِ وطن
تو بتا دے مجھے دل میں ہے اک چبھن
باغباں اپنے ہاتھوں سے مسلے جو گل
ایسے گلزار کو کیا کہیں گے؟ چمن؟
جزوِ ایمان ہے تیری اُلفت کا دم
اپنے آقا کا یہ قول دل میں ہے ضم
اب تو اک بات کا ہم کو لاحق ہے غم
تیرے ہوکے بھی نا ہوسکے تیرے ہم
تجھ سے ہر موڑ پر ہم نے کی ہے وفا
جان اور مال کیا؟ سب کیا ہے فدا
پھر بھی نادان کچھ کہہ رہے ہیں یہی
ہم ہی غدار ہیں ہم ہی ہیں بے وفا
ایک یہ ہی ستم مجھ کو کھاتا رہے
میرے خوں کو جو ہر پل جلاتا رہے
تیری خاطر جو قربان جاں کر چلے
کیوں انہیں ہی تو قاتل بناتا رہے
اس وطن کو بنانے کا جو تھا سبب
اس سبب کا نہ کرتے ہیں اب پاس سب
کیا کریں منزلوں سے بہت دور ہم
گہری ہوتی ہی جاتی ہے ظلمت کی شب
پر یہ اُمید ہے ایک دن آئے گا
جور اور یہ جفا سب ہی مٹ جائے گا
محورِ امن ہوگا یہ اپنا نگر
پھر تو ہر ایک تیرے ہی گن گائے گا
تیری خاطر ہمیشہ دُعا کر چلے
تجھ سے ہر موڑ پر جو وفا کر چلے
تیری آنگن میں مولا کے پیارے رہے
جو بقا کے لئے بھی دعا کر چلے
میرے مولا سدا ہی سلامت رہے
میری ارضِ وطن تا قیامت رہے
عدل و انصاف کی یہ ریاست رہے
اور ہر ایک یاں مثلِ جنت رہے
اس کو دین اور دنیا کی دولت ملے
اپنے بیگانوں کی اس کو الفت ملے
ہر عدو کی عداوت سے محفوظ ہو
اور حافظؔ حقیقی امامت ملے

بشریٰ حفیظ

زخم جیسے ہی بھرتا جا رہا ہے
یہ دل اندر سے ڈرتا جا رہا ہے
سمندر پر سکوں پر اس کے پیچھے
چھپا طوفاں نظر اک رہا ہے
جب باہر پھینک دی ساری آلائش
میرا گھر اب سنورتا جا رہا ہے
کھلونوں سے کبھی جو تھا بہلتا
وہ بچہ اب بدلتا جا رہا ہے
ذرا چنچل ہوا کو روک لینا
میرا گیسو بکھرتا جا رہا ہے
جو آنسو آنکھ سے نکلا تھا بشریٰ
وہ بارش بن کے گرتا جا رہا ہے

مبارک عارف

اپنے دیس دی حالت ویکھ کے دل ہووے دلگیر
کناں سوہنا سی خواب قائد دا کی ہوئی تعبیر
اوکھا اوتھے حق دا کہناں سوکھی لگے تکفیر
جندرے لگن مونہاں اُتے پیراں دے وچ زنجیر
لیڈر اوتھے کرن کرپشن ہوون راتوں رات امیر
لمیاں کاراں اُتے پھردے بنگلے کرن تعمیر
تھوڑی تھوڑی قیمت وچ ویچدے پھرن ضمیر
خلقت اوتھے بھوکی مردی مورکھ کھاون کھیر
انھے اوتھے راکھے بن گئے گونگے پڑھدے ہیر
امن دا سنیہا دیوون پر ہتھ وچ پھڑ شمشیر
عقل دے انھے عالم اوتھے پٹی جاون لکیر
اپنے دیس دی حالت ویکھ کے دل ہووے دلگیر
کناں سوہنا سی خواب قائد دا کی ہوئی تعبیر

احمد ستی

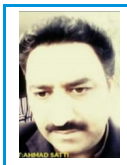

وہ شخص مجھے پیارا ہے اُسے کہنا
وہی جینے کا سہارا ہے اُسے کہنا
سب لوگ پیارے ہیں مجھے لیکن
وہ سب سے پیارا ہے اُسے کہنا
رکھے ہیں سُرخ پھول ہم نے تیرے خط میں
یہ ایک اشارہ ہے اُسے کہنا
محبتیں، عداوتیں، شکایتیں اس کی
مجھے سب گوارا ہے اُسے کہنا
وہ دل مانگے یا مجھ سے جاں مانگے
کب کہا خسارہ ہے اُسے کہنا
کچا گھڑا ہے اور میں تھکا ہُوا
بڑی دور کنارا ہے اُسے کہنا
ہیں چاہنے والے اور بھی احمد ستیؔ لیکن
یہ دل بس تمہارا ہے اُسے کہنا

عاصیؔ صحرائی

ابرِ کرم کی آنکھ سے دیکھا ہے چاند نے
ساگر سبھی تیار ہیں دریا کو باندھنے
غم کی گھڑی مسرتوں کی داستاں بنی

پکڑا ہے یوں مَمات کو لمحاتِ شاد نے
بوسیدہ دل میں دیکھئے اُلفت ہے بھر گئی
جیسے شجر اُگا دئے دھرتی میں کھاد نے
نیچی نظر نہ رکھ سکا معبد کا شیخ بھی
بہکا دیا ہے پاپ کے جھوٹے سواد نے
مرنے کے میں قریب تھا اُس شہرِ عشق میں
مجھ کو تو زندہ کر دیا شعروں کی داد نے
بوڑھے بھی ہم نے دیکھے ہیں بچے بنے ہوئے
بچہ مجھے بنا دیا امی کی یاد نے
صحرا کی وُسعتوں سے ہے عاصیؔ کی یہ صدا
گُم کردیئے ہیں راستے طوفانِ باد نے

ظفر گورکھپوری

دادا، ابّا اور مَیں

دادا حیات تھے جب
مِٹّی کا ایک گھر تھا
چوروں کا کوئی کھٹکا
ناڈا کوؤں کا ڈر تھا
کھاتے تھے رُوکھی سُوکھی
سوتے تھے نیند گہری
شا میں بھری بھری تھیں
آباد تھی دوپہر بھی
سنتوش تھا دلوں میں
ماتھوں پہ بَل نہیں تھا
دل میں کپٹ نہیں تھی
آنکھوں میں چھَل نہیں تھا
تھے لوگ بھولے بھالے
لیکن تھے پیار والے

☆

ابّا کا وقت آیا
تعلیم گھر میں آئی
تعلیم ساتھ اپنے
اک انقلاب لائی
اُونچا روایتوں سے
اُٹھنے کا دھیان آیا
مٹی کا گھر ہٹا تو
پکا مکان آیا
دفتر کی نوکری تھی
تنخواہ کا تھا سہارا
مالک پہ تھا بھروسا
ہو جا تا تھا گزارا
پیسہ اگرچہ کم تھا
پھر بھی نہ کوئی غم تھا

الطاف بُخاری امریکہ

نئے منظر، نئے کون ومکاں تک آ گیا ہوں
کہاں میری یہ ہستی، میں کہاں تک آ گیا ہوں
مجھے اعزاز بخشا تو نے خود جنت بدر کرکے
نکل کر اس مکاں سے ،لامکاں تک آ گیا ہوں
یہی دو گام ہیں پھر سے ستارے سرنگوں ہوں گے
ابھی میں چل رہا ہوں، کہکشاں تک آ گیا ہوں
سنبھالو خود سے تم کارِ جہاں اپنا زمیں والو
وہاں پہ میں نہیں ہوں، آسماں تک آ گیا ہوں
جہاں پر عین ممکن ہے کہیں تم چھپ کے بیٹھے ہو
تعاقب کرتے کرتے اس نشاں تک آ گیا ہوں
نشانِ رہ گزر کوئی نہ کوئی یاد ہے باقی
نہیں اب واپسی ممکن، جہاں تک آ گیا ہوں
حیاتِ جاوداں بخشی ہے مجھ کو مرگِ ہستی نے
میں قطرہ تھا مگر سیلِ رواں تک آ گیا ہوں
یہاں سے کچھ نہیں آگے اگر ہے تو فقط، تُو ہے
میرے مولا ! میں سنگ آستاں تک آ گیا ہوں

دُنیائے فانی

گلشن بیابانی

نہ آنسو نہ آہیں نہ سو زِنہانی
تِری زندگی بھی ہے کیا زندگانی
بدل جائیں اَب بھی جو اطوار تیرے
یہی لَن تَرانی ہے سَوفَ تَرانی
سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی
بَھروسہ نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
ڈھلکتی سی چھاؤں ہے دُنیائے فانی
یہ صبحِ بنارس ہے شامِ غریباں
یہ شامِ اودھ ہے فقط اِک کہانی
کہاں ہیں وُہ متھر انا مہرِ درخشاں
کہاں ہے وُہ مُرلی کی تانیں سُہانی
کہاں ہیں وُو راجہ بھڑانچ کے چرچے
کہاں ہے وُہ جیتو کی اَب راجدھانی
کہاں ہیں وُہ اَجدادواسلاف تیرے
کہاں ہیں وُہ عہدِ گذشتہ کے بانی
نہ کر ناز عُمرِدو روزہ پہ نا داں
بڑی بے بَھروسہ ہے یہ زندگی
اُٹھا دِل کو اِس گُلشنِ ماسوا سے
لگا اُس خُدا سے جو لَو ہَے لگانی

قمر آسی

اس جیسا زمانے میں کوئی اور نہیں ہے
وہ اتنا حسیں، اتنا حسیں، اتنا حسیں ہے
اس چاند سے آنکھیں نہ مری ہونگی منور
درکار انہیں یار فقط تیری جبیں ہے
چھایا ہے تخیل پہ مرے تیرا سراپا
محسوس یہ ہوتا ہے کوئی پھول قریں ہے

وہ حدِ تناظر سے بہت دور ہے، مانو
بینائی کہیں اور مری آنکھ کہیں ہے
رستوں نے سجھایا مجھے اس شہر کا رستہ
خوشبو نے بتایا ہے کہ وہ شخص یہیں ہے
اب کوئی کبوتر ترا نامہ نہیں لاتا
مجھ کو تو لگا تھا تُو روایت کا امیں ہے
خالی نہ قمر جان مرے دل کی عمارت
آسیب محبت کا مرے دل میں مکیں ہے

ساحلؔ

لوگ اکثر وفا نہیں کرتے
تم بھی چاہت کو مختصر رکھنا
سب کے عیبوں پہ تم نظر رکھنا
ہاتھ میں آئینہ مگر رکھنا
بہتے اشکوں کو پونچھ لیں بڑھ کر
اپنے ہاتھوں میں وہ ہنر رکھنا
لوگ اکثر وفا نہیں کرتے
تم بھی چاہت کو مختصر رکھنا.
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اپنی آنکھوں کو منتظر رکھنا
ہاں بناؤ زمیں پہ گھر لیکن
سوچ کو آسمان پر رکھنا
تم خدا بن کے مت جیا کرنا
خود کو اک عام سا بشر رکھنا
چھاؤں دشمن کو بھی ملے جس سے
"اپنے آنگن میں وہ شجر رکھنا
"جس پہ ہے گھونسلہ پرندوں کا"
اس شجر کو ہمیشہ تر رکھنا
لاکھ اُڑتے رہو ہواؤں میں
پاؤں لیکن زمین پر رکھنا
حال کیسا بھی ہو مگر ساحلؔ
خود کو رکھنا تو معتبر رکھنا

سشمسی مینائی

تری نگاہ سے جب بھی مری نگاہ ملی
مجھے تو گردشِ ایام سے پناہ ملی
ہمیں تو تیرے تبسم پہ جان دینی ہے
کلی کلی کو جو دیکھا تیری گواہ ملی
رہِ وفا میں ترے غم کی بخششیں کیا خوب
دلوں کو سوز ملا ہے لبوں کو آہ ملی
مجھے تو صرف یہ کہنا ہے اپنے دل کے لئے
بھٹکنے والی وفا کو قیام گاہ ملی
نہ جانے جائے کہاں لے کے دل کی بیتابی
قدم قدم پہ مجھے یوں تو جلوہ گاہ ملی
عجیب حال میں رہتے ہیں فن کے مارے بھی
زباں امیر ملی، زندگی تباہ ملی

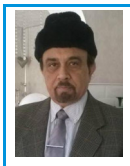

ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے

دل کی دھڑکن سے ٹکرایا اس کی یاد کا سایا
سائے کے میں پیچھے بھاگا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا
پی لیتا تو ہوش میں آتا شیخ نہ گر بہکاتا
تیز دھار الفاظ نہ ہوتے گہرا زخم نہ کھاتا
چوری چوری رنگ کسی کا دل میں اترا جائے
دل کی بات دھنک بن جائے آنکھوں کو للچائے
بات کریں تو پھول جھڑیں پر خوشبو ہے ناپید
باطن میں جو سرخ لہو ہے اس کا رنگ سفید
مان بھی جاؤ یار منورؔ سورج کا احسان
ذہن کے تپتے صحراؤں میں یخ بستہ طوفان

(قاسم عباس، ٹورانٹو)

انسان کا سچ اور ملّاں کا جھوٹ
بچہ بولا دیکھ کر ایک مسجد عالیشان
یا اللہ تیرے ایک کو اتنا بڑا مکان
سامنے فٹ پاتھ پر پڑے تھے کچھ انسان
بھوکے بچّوں سمیت تھے بے سر وسامان
ملّاں چیخ چیخ کر کرتا تھا اعلان
چند ہ دے کر بنا لو اپنا جنّت میں مکان
حلال حرام کی سوچ نہ کر دیرنہ کرتا دان
کردے جیب خالی ہو جا دین پر قربان

طنزِ عزیز ستّر کی ایج پر!

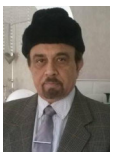

Homeland: At Seventy Plus!
English terms used: PAGE. IMAGE, CAGE, SEWERAGE, SHORTAGE, DAILY-WAGE, STAGE, GUAGE, AGE.

(تحریر: ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، انگلینڈ)

ذکر ہے عمران کا اخبار کے ہر ''پیج'' پر
اے خدا ہو اثر اچھا ملک کے ''ای میج'' پر
ہر کہیں انصاف کا ہو بول بالا دیس میں
ہوں کسی کی تو نگاہیں ظالموں کے ''کیج'' پر
حالتِ ساون چھپائیں تو چھپائیں کس طرح!
اب توجہ دیجئے پانی کی بھی ''سیوریج'' پر
کردئے آٹے نے ذہن و دِل تو دونوں اس طرح
اِک پریشاں نرخ پر اور دوسرا ''شارٹیج'' پر
کیسی مہنگائی نے توڑی ہے کمر مزدور کی!
کیجئے نگہِ عنائت اب تو ''ڈیلی ویج'' پر!
انتظاری اِس طرح کی کچھ ہے لوگوں کو لگی
منتظر دولہا کی جیسے کوئی دلہن سیج پر
کھیل دیکھے ہیں بہت ہم نے مجازی عشق کے
اب حقیقی عشق لائیں وقت کے ''اِسٹیج'' پر
پیچ ڈھیلے سوچ کے تو رہ نہیں سکتے کبھی
عقل کی سب چوڑیاں ہوں گر برابر ''گیج'' پر
قوم صابر ہے منورؔ باہیں پھیلائے کھڑی
آ ملیں خوشحالیاں ستر کی ہی اب ''ایج'' پر!

عزت مآب ہز ایکسی لینسی ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب کا قندیل شعر و سخن عالمی مشاعرے کی صدارت کرتے ہوئے پنجابی زبان پر تبصرہ

مینوں اج دے ایس کوی دربار وچ شریک ہو کے دلوں خوشی ہو رہی اے۔ میرے ولوں او ہناں سب دوستاں نوں ودھائی جنہاں ایس پنجابی کوی دربار دا پربندھ کیتا اے۔ اردو نال ساڈا جوگوڑھا رشتہ اے او اپنی تھاں، پر ایس دا ایہہ مطلب نہیں کہ اسیں پنجابی دا، جیہڑی ساڈی تے ایتھے بیٹھے بوہتے رلتیاں دی ماں بولی اے، آدر نہ کریئے۔ اج اسیں پنجابی شاعری سنن لئی ایسے واسطے اکٹھے ہوئے آں کیوں جے ساہنوں اردو دا نگ پنجابی نال وی پیار اے۔ تے فیر کیوں نہ تھوڑی جیہی گل بات پنجابی تے پنجابی ساہت دے پچھوکڑ، تریخ تے اج پنجابی دا جوکھلارا اے، اوس بارے کرلئی جائے۔ پنجابی بولی کدوں تے کس طرحاں بنی ایس بارے کئی گویڑ لگائے گئے نیں۔ پر نویں پرچول ایہہ اے کہ اے دنیا دیاں سب توں پُرانیاں بولیاں وچوں اک بولی اے۔ پہلاں خیال سی کہ پنجابی سنسکرت وچوں نکلی اے پر ہُن بہتے زبان داناں دا ایس گل تے ایکا اے کہ پنجابی دی سانجھ ہڑپہ تے موہنجوداڑو دی دراوڑ بولی نال اے۔ تے ایہہ آریاں دے آون توں بہت پہلاں پنجاب دے وسنیک بولدے سی۔ ہاں اے ضرور ہویا کہ آریاں دے آؤن مگروں سنسکرت دے کجھ لفظ وی پنجابی وچ رل گئے۔ دو جیاں قوماں دے میل ملاپ تے ویلے دی اُتھل پُتھل نال پنجابی وچ ہوراں بولیاں دے لفظاں دی وی رلت ہوندی رہی۔ جس نال صدیاں دے سفر دے بعد پنجابی دا او رُوپ بنیا اے جس توں اج اسیں واقف آں۔

پنجابی بولی اور ایس دے ساہت بارے اسیں ایہناں جاندے آں کہ بابا فرید دے ویلے یعنی گیارویں بارہویں صدی وچ ایہہ ڈھل کے تے نکھر کے ایسے مقام تے پہنچ چکے سن، جیہڑا ہندوستان دیاں ہور بہت ساریاں بولیاں نوں کئی صدیاں مگروں نصیب ہویا۔ بابا فرید ہوراں دی شاعری تے اوس دی بولی دے نکھارنوں ویکھ کے حیرانی ہوندی اے کہ ہزار سال پہلاں وی پنجابی وچ ایسا اعلیٰ ادب لکھیا جا رہیا سی۔ بابا فرید دے کئی دوہڑے اج وی لوکاں نوں یاد نیں۔ ایہناں نوں پڑھ کے اے نہیں لگدا کہ ایہہ اٹھ سو یاں ہزار سال پہلاں لکھے گئے سن۔ جیویں:

فریدا خاک نہ نندیئے! خاک جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تھلے، مویاں اُوپر ہوئے

جوبن جاندیاں نہ ڈراں جے شوہ پریت نہ جائے
کتنے جوبن پریت بِن سُک گئے، کملائے

کالے میڈھے کپڑے، کالا میڈھا ویس
گُناہیں بھریا میں پھِراں، لوک کہن درویش

ویکھ پرائی چوپڑی، نہ ترسائیں جی
رُکھی سکھی کھاکے، ٹھنڈا پانی پی

بابا فرید دی شاعری ساڈے تیک پہنچن دا سبب اے بنیا کہ سکھ گوراں نیں ایس نوں اپنی گرنتھ وچ شامل کرلیا۔ بابا فرید ہوراں پنجابی شاعری دی جو نینہہ رکھی، بعد وچ آون والے صوفی، قصہ گو تے دوجے شاعر وی اوسے تے تُر دے رہے۔ ہر بولی دی شاعری دیاں اپنیاں ریتاں تے اپنا مزاج ہوندا اے۔ ایسے لئی کسے وی بولی دی شاعری نوں سمجھن تے اوس دا پورا سواد لین لئی اوس دے کلاسیکل سرمائے دی پھولا پھولی دی لوڑ ہوندی اے۔ پنجابی دا وی اپنا مزاج اے جیہڑا دوجیاں بولیاں تو وکھا اے۔

ایس بارے اِک دو موٹیاں موٹیاں گلاں انج نیں کہ بھانویں گیارہویں توں انیویں صدی تک ہندوستان دی سرکاری بولی فارسی سی، پہلاں بابا فرید نیں، جنہاں دی تعلیم وی فارسی وچ ہوئی سی، تے بعد وچ آون والے صوفی شاعراں وی فارسی نوں چھڈ کے پنجاب دے عام لوکاں دی بولی وچ لکھیا۔ تے جیویں اردو شاعراں فارسی شاعری دیاں بہت ساریاں روایتاں نوں اپنایا، پنجابی شاعراں ایس توں وکھ، پنجاب دے عام لوکاں دی گل بات تے ویہارنوں اپنے شاعری دا مُڈھ بنایا۔ تے ساریاں تشبیہاں، استعارے وی عام لوکاں دی حیاتی وچوں ہی لئے۔ دور دراڈ دیاں گلاں کرن دی تھاں اپنے آس پاس توں ای تشبیہاں تے رمزاں لیناں وی پنجابی شاعری دے مزاج وچ شامل اے۔ جیویں شاہ حسین نیں چرخے دی رمزنوں بہت گوڑھیاں صوفیانہ گلاں کرن لئی ورتیا۔ بلھے شاہ دی شاعری دی ساری بُنت وی عام لوکاں دے ویہار تے ہے۔ اتے وارث شاہ دی ہیر تے پنجاب دے عام لوکاں دے رہن سہن دا انسائیکلو پیڈیا اے۔ فیر

اے کہ ساری کلاسیکل پنجابی شاعری سُر سنگیت نال جُڑی ہوئی اے۔ جو لکھی ہی گاؤن لئی جاندی سی۔ شاہ حسین تے اپنی ہر کافی دے نال ایہہ وی دس پاؤندے سی کہ اے کس راگ وچ گاؤن لئی لکھی اے۔ ایہناں شاعراں دا کلام گویے نسل در نسل گاؤندے رہے تے انج اے ساڈے تیک آ پڑیا۔ پنجابی زبان دے ایس وکھرے مزاج نوں سمجھے بغیر ایہدی شاعری دا پورا چس نہیں لیا جاسکدا پنجابی شاعری جس دی بیہنہ بابا فرید نے رکھی سی اوس نوں انیویں صدی دے اخیر تک بہت سارے صوفی شاعریاں نے اگے ودھایا۔ ایہناں وچوں کئیاں دی شاعری ایسے اُچے پدھر دی اے جو دنیا دی کسے ہور بولی دی شاعری توں گھٹ نہیں۔ ایہناں وچ شاہ حسین، بابا نانک، بلھے شاہ، سلطان باہو، مولوی غلام رسول عالم پوری، میاں محمد تے خواجہ غلام فرید وڈے ناں نیں۔ اکبر دے زمانے توں پنجابی وچ قصہ گوئی دا رواج پیا۔ جس دے وڈے شاعراں وچ پیلو، دمودر داس، حافظ برخوردار، مُقبل شاہ، سید ہاشم شاہ، احمد یار تے وارث شاہ شامل نیں۔ ایہناں دے لکھے ہوئے قصے مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال، یوسف ذلیخا، سسی پنوں تے ہور کئی قصے اج وی گائے تے شوق نال سنے جاندے نیں۔ سید وارث شاہ دی ہیر نوں تے ہُن عالمی ادب وچ ایک خاص مرتبہ حاصل اے۔ نویں زمانے دے شاعراں وچ وی کئی پنجابی شاعراں نے بڑا نام کمایا اے۔

جنہاں وچ استاد دامن، شریف کنجاہی، احمد راہی، موہن سنگھ، شو کمار بٹالوی، پاش، منیر نیازی، امرتا پریتم، نجم حسین سید، سُرجیت پاتر، امرجیت چندن تے ہور کئی پنجابی شاعر نیں۔ ایتھے میں ایہہ وی اشارہ کر دیاں کہ اکثر اردو وچ شاعری لکھن والے، جدوں پنجابی شاعری لکھن ول آؤندے نیں تے نہ اوہناں پنجابی دی کلاسیکل شاعری نوں دھیان نال پڑھیا ہوندا اے تے نہ ای اوہ پنجابی شاعری دی ریت توں واقف ہوندے نیں۔ کئی اردو شاعر تے پنجابی شاعری نوں صرف ہاسے مخول دیاں گلاں کرن لئی ورتدے نیں۔ اوہناں کول پنجابی دی لفظالی دی وی تھوڑ ہوندی اے۔ جے ایہہ شاعر پنجابی شاعری تے ایس دیاں ریتاں دا علم حاصل کر لین تے تاں ای ودھیا پنجابی شاعری لکھ سکدے نیں۔ ہُن کجھ ایس پاسے وی دھیان مار لیئے کہ پنجاب وچ پنجابی دا ہُن کی حال اے۔ چڑھدے پنجاب وچ تے پنجابی سرکاری زبان اے۔ اسکولاں، کالجاں تے یونیورسٹیاں وچ پڑھائی جاندی اے۔ صوبے دے سارے سرکاری کم پنجابی وچ ہوندے نیں۔ اے سکھاں دی مذہبی زبان وی اے۔ ایس لئی اوہناں نوں ایس نال چوکھا پیار اے۔ ہِندے پنجاب وچ بھانویں پنجابی اسکولاں وچ نہیں پڑھائی جاندی پر ایتھے وی ونڈ دے بعد پنجابی لکھاریاں نیں سرکار دی ہلاشیری دے بغیر پنجابی دے ودھاء دیاں کوششاں جاری رکھیاں۔ جدے نتیجے وچ پہلاں تے ۱۹۷۰ وچ پنجاب یونیورسٹی لاہور وچ پنجابی دا ڈیپارٹمنٹ قائم ہویا۔ تے پنجابی وچ ایم اے تے پی ایچ ڈی دیاں کلاساں شروع ہوئیاں۔ بعد وچ پنجاب دیاں ہور یونیورسٹیاں وچ وی ایہو جہے پنجابی ڈیپارٹمنٹ کُھل گئے۔ فیر کالجاں وچ ایف اے تے بی اے دیاں کلاساں لئی پنجابی نوں اضافی مضمون دے طور تے پڑھایا جان لگا۔

ہُن تیک پنجابی دے درجناں پی ایچ ڈی تے سینکڑاں ایم اے تیار ہو چکے نیں۔ تے کالجاں وچ پنجابی پڑھن والے وی ہزاراں نیں۔ ۲۰۰۴ وچ پنجاب حکومت نیں لاہور وچ Punjab Institue of Art and PILACCulture دے ناں توں اک ادارہ بنایا جس دی تین منزلہ سوہنی تے وڈی عمارت قذافی اسٹیڈیم دے نال بنائی گئی۔ جتھے اک وڈا سرکاری عملہ پنجابی بولی تے کلچر دے ودھاء لئی کم کر رہیا اے۔ اے ادارہ پنجابی تے ریسیرچ دا کم کر رہیا ایا۔ ہر سال پنجابی دیاں کئی درجن کتاباں تے ایک مہینے وار رسالہ چھاپدا اے۔ کجھ چیر پہلاں ایس ادارے ولوں پنجابی دی اک وڈی ڈکشنری ست جلداں وچ چھاپی گئی اے جس وچ پنجابی دے ساریاں لہجیاں دی لفظالی شامل کیتی گئی اے۔ ایس ادارے دے ہال وچ پنجابی دے کئی طرحاں دے پروگرام ہوندے رہندے نیں۔ ایس ادارے ولوں جو کتاباں چھپدیاں نیں اوس توں علاوہ وی پنجابی دیاں ڈیڑھ دو سو کتاباں ہر سال چھپدیاں نیں تے کوئی ست اٹھ پنجابی رسالے ہر مہینے نکلدے نیں۔ ہر وڈے شہر وچ پنجابی دیاں تنظیماں نیں جو مختلف پنجابی دے پروگرام کروا ندیاں نیں۔ ہر سال ۲۱ مئی نوں سارے پنجاب وچ ماں بولی دیہاڑ منایا جاندا اے۔ اوس دن لہور وچ اک وڈا جلوس پنجابی دے حق وچ نکلدا اے۔ پنجابی کامیاں دا وڈا مطالبہ ہن ایہوای اے کہ پنجابی نوں پنجاب دے اسکولاں وچ پرائمری جماعتاں تو پڑھایا جائے۔ ہُن تے لگدا اے اوہ دن دور نہیں جدوں سکولاں وچ وی پنجابی پڑھائی جائے گی۔ اک وار فیر ایس کوی دربار دے پربندھکاں نوں میرے ولوں بہت ودھائی۔ رب راکھا۔

***

قندیل شعر وسخن کے زیرِ اہتمام عالمی مشاعرہ کے شعراء

(منور احمد کنڈے)

نوٹ: مورخہ 13 اگست 2020ء کے اس مشاعرے میں ڈاکٹر عامر صاحب، عبدالباسط انور، کامران مغل ۔شاہین برلاس صاحبہ، آصف چغتائی، محمود چغتائی، بھی شال ہوئے۔

* ۔اسحاق عاجز لندن کے شاعر اور خوبصورت نظم گو۔ جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اللہ نے ان کو نعت اور حمد خوانی کا ملکہ عطا کیا ہے۔لندن کے اسحاق عاجز صاحب۔نعتیہ کلام پڑھیں گے۔

* ۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب ہمارے جانے پہچانے ادب دوست۔لندن سے تعلق ہے۔ہمارے سبھی مشاعروں میں شامل ہوتے ہیں۔

* ۔مبشر شہزاد گلاسگو سکاٹ لینڈ میں معروف ریڈیو اینکر۔شاعر اور ادیب۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ ہماری محفلوں میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔

* ۔عبدالجلیل عباد صاحب۔ہیمبرگ جرمنی میں مقیم ہمارے ہر دل عزیز شاعر۔ہم سب کے جانے پہچانے۔شاعری کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آج ایک بار پھر ہمارے ساتھ موجود ہیں۔

* ۔اثر اکبر آبادی: کینیڈا کے معروف شاعر۔ بہت اچھے ترنم کے حامل۔ بہت معیاری کلام لکھتے ہیں۔ ہماری محفلوں میں عموماً آتے رہتے ہیں۔آج بھی اپنا خوبصورت کلام لے کر ہمارے ساتھ موجود ہیں۔

* ۔شائق نصیر پوری: لندن کے بزرگ شاعر۔جن کی دو کتابیں چھپ چکی ہیں۔ایک چھپنے کے لئے تیار ہیں۔ اردو اور پنجابی کے شاعر جناب شائق نصیر پوری۔

* ۔عبدالحمید حمیدی صاحب کینیڈا سے ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ مشاعروں کے لئے ہماری قسم کا تعاون کرتے ہیں۔

* ۔بشارت ریحان صاحب آف کینیڈا۔

* ۔ڈاکٹر اسحاق ساجدؔ صاحب آف جرمنی۔رسالہ سمندر انٹرنیشنل کے ایڈیٹر ہیں۔گیتوں،غزلوں اور نظموں کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔بیسیوں کتابوں پر تبصرے کر چکے ہیں۔ ہماری انجمن کے محرک رُکن ہیں۔ جرمنی میں پچیس برس سے مقیم۔بہت اعلیٰ اور معیاری شاعری کرتے ہیں۔ادبی دوستوں کا وسیع حلقہ ہے۔ڈاکٹر اسحاق ساجد صاحب۔ترنم سے پڑھتے ہیں۔

* ۔ دلشاد نسیم صاحبہ۔آپ کا تعلق لاہور پاکستان سے ہے۔اردو اور پنجابی میں شاعری کرتی ہیں۔کتابیں بھی چھپ چکی ہیں۔ ہماری محفل میں آتی رہتی ہیں۔آج بھی موجود ہیں۔

* ۔فہمیدہ مسرت احمد صاحبہ جرمنی سے آج پہلی بار ہمارے ساتھ شامل ہوئی ہیں۔ان کا ایک مجموعہ کلام اردو شاعری کا چھپ چکا ہے۔بہت عمدہ شاعری کرتی ہیں۔سوشل میڈیا میں ان کی شاعری معروف ہو چکی ہے۔

* ۔خاکسار رانا عبدالرزاق خان عاصی صحرائی۔

* ۔ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے۔رسالہ قرطاس یوکے کے مدیرِ اعلیٰ۔یورپ کے معروف شاعر۔ اردو اور پنجابی شاعری کی بارہ کتب چھپ چکیں ہیں۔ ہومیوپیتھی کی دو کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔ہم سب کے جانے پہچانے۔ لندن سے دور شہرِ ٹیلفورڈ میں مقیم ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے صاحب۔

* ۔شکیل قمر صاحب۔ مانچسٹر سے پہلی بار ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ برطانیہ کے معروف شاعر ہیں۔ادبی حلقوں میں جانے پہچانے ہیں۔

* ۔حاجرہ نور زریاب صاحبہ ان کا تعلق بھارت سے ہے۔اردو کی معروف شاعرہ ہیں۔دوسری بار ہمارے مشاعرے میں شامل ہوئی ہیں۔ہم ان کو ایک بار پھر خوش آمدید کہتے ہیں۔

* ۔شگفتہ شفیق صاحبہ۔بچپن سے ہی شاعری کا آغاز کیا۔تیرہ برس کی عمر میں با قاعدہ شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔اردو کی معروف شاعرہ ہیں۔ چار کتب چھپ چکی ہیں۔ دو کتب پر کام چل رہا ہے۔کراچی کینیڈا اور لنڈن سے اعزازات مل چکے ہیں۔کراچی سے محترمہ شگفتہ شفیق صاحبہ ہمارے ساتھ موجود ہیں۔

* ۔عذرا نقوی صاحبہ ان کا تعلق ہندوستان سے ہے۔شاعری کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔سعودی عرب کی ہندوستانی تنظیموں سے بھی اعزازات مل چکے ہیں۔ان کی شاعری کے عربی ترجمے بھی چھپ چکے ہیں۔دُخترِ اردو ایوارڈ کی حامل عذرا نقوی صاحبہ اپنا کلام عطا فرمائیں گی۔

* ۔ممتاز ملک صاحبہ۔ان سے تسلیؔ کو ہم اپنی ادبی محفلوں میں مدعو کرتے رہتے ہیں۔اردو اور پنجابی کی معروف شاعرہ۔ مدت دراز سے فرانس میں مقیم ہیں۔ ٹی وی کے پروگرام بھی دیتی ہیں۔کئی کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ممتاز ملک صاحبہ

* ۔صالح محمد اچھا صاحب کینیڈا سے ہمارے ساتھ شامل ہوتے رہتے ہیں۔ آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ادبی اور سماجی شخصیت کے طور پر جانے پہچانے ہیں۔ہمیں اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں گے۔

* -محترمہ ثریّا حیا صاحبہ۔ان کا اصل نام ثریا پروین ہے۔اردو فارسی اور انگریزی ان کے مخصوص مضامین ہیں۔''کشتِ جان'' کے نام سے ایک شعری مجموعی چھپ چکا ہے۔درسی کتب سکولوں کالجوں کے سلیبس میں شامل ہیں۔ مدت دراز سے اردو شاعری کر رہی ہیں۔آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں گی۔ثریاّ حیاّ صاحبہ۔

* -انجُم عُثمان صاحبہ اِس محفلِ سُخن کی آخری شاعرہ۔کراچی سے ہمارے ساتھ موجود ہیں۔آپ کا ایک مجموعہء کلام چھپ چکا ہے۔دوسرا زیرِ طباعت ہے۔مختلف تنظیموں سے اعزازات بھی حاصل ہو چکے ہیں۔بچپن سے شاعری کر رہی ہیں۔صرف اردو زبان میں لکھتی ہیں۔محترمہ انجم عثمان صاحبہ۔

* - صدرِ مشاعرہ۔محترمہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ صاحبہ۔تمام حاضرین کی طرف سے میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ ہماری محفلِ ادب میں رونق افروز ہوئیں۔بہت سی کتب کی مصنفہ،کئی تنظیوں کی صدر،شعروسخن کی آبیاری میں مصرف،ہمہ وقت اردو ادب کی معمارہ،با اخلاق،باادب،حسن سلوک کا مرقع۔ہماری محفل میں رونق افروز ہیں۔

مُصلح الدین راجیکی

تُم کیا جانو اس اُلفت میں کیا رنج اُٹھانے پڑتے ہیں
جو راز چُھپا نے ہوتے ہیں وہ راز بتانے پڑتے ہیں
ایسی بھی مصیبت آتی ہے اس دل کی لگی کے ہاتھوں سے
اپنوں کے علاوہ غیروں کے احسان اُٹھانے پڑتے ہیں
تُم پھُول کہو یا داغ انہیں لیکن یہ حقیقت ظاہر ہے
وہ زخم ہرے ہو جا تے ہیں جو زخم دکھانے پڑتے ہیں
فُرقت کی سحر تو ہوتی ہے پر رات کے جانے جانے تک
اُشکوں کے ستارے آنکھوں سے رہ رہ کے گرانے پڑتے ہیں
یہ جانِ وفا یہ راحتِ جاں تو عام جنوں کے عنواں ہیں
کُچھ نام تمھارے وہ بھی ہیں جو لکھ کے مٹانے پڑتے ہیں
آدابِ محبت کی خاطر اس بزمِ جہاں میں مُصلح
ایسے بھی بہت سے گیت ہیں جو آنکھوں سے سنانے پڑتے ہیں

اسلامی شریعہ کے یہ مفتی اللہ اللہ (ادارہ)

کسی اسلامک بینک کے ایک مفتی شریعہ ایڈوائزر ایک دفعہ گاڑی چلانے کے دوران موبائل فون پر باتیں کرتے ہوئے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔پولیس والے نے پوچھا چالان کروں یا 500 چائے پانی کا خرچہ دیں گے؟مفتی صاحب نے پولیس والے کو بولا کہ جرمانے کی ضرورت نہیں ہے اور رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہوتے ہیں مگر میں اسکا ایک اسلامی حل نکال سکتا ہوں!!پولیس والا حیرت سے کھڑا منہ تکتا رہا۔مفتی نے اپنی گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ میں تمھیں 500 میں بیچتا ہوں۔۔بولو قبول ہے؟پولیس والے نے مفتی کو گھور کر دیکھا اور سوچا کہ یہ ہزاروں کی گھڑی مولوی 500 میں بیچ رہا ہے فائدہ میرا ہی ہے۔یہ سوچتے ہی پولیس والے نے فوراً پیسے نکال کر مولوی کے ہاتھ میں دیئے اور بولا لاؤ دو گھڑی۔مفتی مسکرا کر بولا کہ صبر کرو ابھی اسلامی ٹرانزیکشن مکمل نہیں ہوئی۔اس ٹرانزیکشن میں گھڑی کے مالک اب تم ہو لیکن استعمال کنندہ میں ہی ہوں۔پولیس والے کا منہ کھلا رہ گیا!!!مفتی نے جیب سے ایک 1000 کا نوٹ نکال کر پولیس والے کو پکڑایا اور بولا کہ یہی گھڑی اب میں واپس تم سے خرید رہا ہوں۔ٹھیک ہے؟پولیس والے نے پوچھا مولوی صاحب سمجھ نہیں آئی کہ آپ کر کیا رہے ہیں؟مفتی نے سمجھایا کہ یہ گھڑی میں نے تم کو 500 میں بیچ کر 1000 میں واپس خرید لی اور عین اسلامی اصولوں کے مطابق حلال خرید وفرخت کا سودا باہمی رضامندی کے ساتھ مکمل کر کے رشوت جیسے حرام کام سے خود بھی بچا اور تم کو بھی بچا لیا۔ایک میسیج یاد رہے یہ ایک لطیفہ نہیں ہے بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار مفتیوں کے متعلق ان حقائق میں سے ایک حقیقت ہے جن سے ان کی کتابیں اور تفسیریں بھری پڑی ہیں۔ان کی فقہ کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ حیلہ کر کے حلالہ یعنی کسی نہ کسی اٹکل پچو سے کسی بھی حرام شے کو حلال اور حلال کو حرام کر لینے کا نام ہے۔اسلامی بینکاری بھی ان کی انہی حرکتوں کا نتیجہ ہے اور ان کی انہی حرکتوں نے اسلام کو ساری دنیا میں بدنام کیا ہوا ہے۔ان کی یہ فقہ عباسی دور میں فارس میں بیٹھ کر گھڑی گئی تھی۔فارس کے کسریٰ اور ان کے خانوادے عربوں سے تو اپنی شکست کا بدلہ نہ لے سکے لیکن بزعم خویش انہوں نے عربوں کے اسلام سے خوب گن گن کر بدلے لئے اور

آج تک لے رہے ہیں۔ بیچارہ پولیس والا! اس کو مفتی کی شریعت کی سمجھ نہیں آئی۔ بھلا ان کی شریعت کی سمجھ آتی کس کو ہے۔ بس ساری قوم اندھی بنی ان کے پیچھے آنکھوں پر پٹی باندھے کھڑی ہے اور جب تک ہم یہ پٹی اُتار کر نہیں پھینکیں گے تب تک نہ دنیا میں آگے بڑھ سکیں گے اور نہ آخرت میں سرخرو ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

میری وفات کے بعد

موسم سرما کی ایک انتہائی ٹھٹھرتی شام تھی جب میری وفات ہوئی۔ اس دن صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ بیوی صبح ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ ڈاکٹر نے دوائیں تبدیل کیں مگر میں خلافِ معمول خاموش رہا۔ دوپہر تک حالت اور بگڑ گئی۔ جو بیٹا پاکستان میں تھا وہ ایک تربیتی کورس کے سلسلے میں بیرون ملک تھا۔ چھوٹی بیٹی اور اس کا میاں دونوں یونیسف کے سروے کے لیے کراچی ڈیوٹی پر تھے۔ لاہور والی بیٹی کو میں نے فون نہ کرنے دیا کہ اس کا میاں بے حد مصروف ہے اور بچوں کی وجہ سے خود اس کا آنا بھی مشکل ہے۔ رہے دولڑکے جو بیرون ملک ہیں انہیں پریشان کرنے کی کوئی تُک نہ تھی. میں میری بیوی گھر پر تھے اور ایک ملازم جو شام ڈھلے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ عصر ڈھلنے لگی تو مجھے محسوس ہوا کہ نقاہت کے مارے بات کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ میں نے اپنی پرانی ڈائری نکالی، بیوی کو پاس بٹھا کر رقوم کی تفصیل بتانے لگا جو میں نے وصول کرنا تھیں اور جو دوسروں کو ادا کرنا تھیں۔ بیوی نے ہلکا سا احتجاج کیا: ''یہ تو آپ کی پرانی عادت ہے ذرا بھی کچھ ہو تو ڈائری نکال کر بیٹھ جاتے ہیں'' مگر اس کے احتجاج میں پہلے والا یقین نہیں تھا۔ پھر سورج غروب ہو گیا۔ تاریکی اور سردی دونوں بڑھنے لگیں۔ بیوی میرے لیے سُوپ بنانے کچن میں گئی۔ اس کی غیر حاضری میں مَیں نے چند اکھڑی اکھڑی سانسیں لیں اور.... میری زندگی کا سورج غروب ہو گیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں آہستہ آہستہ اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہوں۔ پھر جیسے ہوا میں تیرنے لگا اور چھت کے قریب جا پہنچا۔ بیوی سُوپ لے کر آئی تو میں دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس پر سکتہ طاری ہوا اور پھر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ میں نے بولنے کی کوشش کی. یہ عجیب بات تھی کہ میں سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ لاہور والی بیٹی رات کے پچھلے پہر پہنچ گئی تھی۔ کراچی سے چھوٹی بیٹی اور میاں صبح کی پہلی فلائیٹ سے پہنچ گئے۔ بیٹے تینوں بیرون ملک تھے وہ جلد سے جلد بھی آتے تو دو دن لگ جانے تھے۔ دوسرے دن عصر کے بعد میری تدفین کر دی گئی۔ شاعر، ادیب، صحافی، سول سرونٹ سب کی نمائندگی اچھی خاصی تھی۔ گاؤں سے بھی تقریباً سبھی لوگ آ گئے تھے۔ ننھیال والے گاؤں سے ماموں زاد بھائی بھی موجود تھے۔ لحد میں میرے اوپر جو سلیں رکھی گئی تھیں مٹی ان سے گزر کر اندر آ گئی تھی۔ بائیں پاؤں کا انگوٹھا جو آرتھرائٹس کا شکار تھا، مٹی کے بوجھ سے درد کر رہا تھا۔ پھر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ شاید فرشتے آن پہنچے تھے۔ اسی کیفیت میں سوال و جواب کا سیشن ہوا۔ یہ کیفیت ختم ہوئی۔ محسوس ہو رہا تھا کہ چند لمحے ہی گزرے ہیں مگر فرشتوں نے بتایا کہ پانچ برس ہو چکے ہیں تمہیں فوت ہوئے۔ پھر فرشتوں نے ایک عجیب پیشکش کی: ''ہم تمہیں کچھ عرصہ کے لیے واپس بھیج رہے ہیں۔ تم وہاں دنیا میں کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔ گھوم پھر کر اپنے پیاروں کو دیکھ لو، پھر اگر تم نے کہا تو تمہیں دوبارہ نارمل زندگی دے دیں گے ورنہ واپس آ جانا'' میں نے یہ پیشکش غنیمت سمجھی اور ہاں کر دی۔ پھر ایک مدہوشی کی حالت چھا گئی۔ آنکھ کھلی تو میں اپنی گلی میں کھڑا تھا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنے گھر کی جانب چلا۔ راستے میں کرنل صاحب کو دیکھا۔ گھر سے باہر کھڑے تھے۔ اتنے زیادہ بوڑھے لگ رہے تھے۔

خواجہ صاحب بیگم کے ساتھ واک کرنے نکل رہے تھے۔ اپنے مکان کے گیٹ پر پہنچ کر میں ٹھٹھک گیا۔ میرے نام کی تختی غائب تھی۔ پورچ میں گاڑی بھی نہیں کھڑی تھی۔ وفات سے چند ہفتے پہلے تازہ ماڈل کی خریدی تھی دھچکا سا لگا۔ گاڑی کہاں ہو سکتی ہے؟ بچوں کے پاس تو اپنی اپنی گاڑیاں تھیں تو پھر میری بیوی جواب بیوہ تھی، کیا گاڑی کے بغیر تھی؟ دروازہ کھلا تھا۔ میں سب سے پہلے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنی لائبریری میں گیا۔ یہ کیا؟ کتابیں تھیں نہ الماریاں رائٹنگ ٹیبل اس کے ساتھ والی مہنگی کرسی، صوفہ، اعلیٰ مرکزی ملازمت کے دوران جو شیلڈیں اور یادگاریں مجھے ملی تھیں اور الماریوں کے اوپر سجا کر رکھی ہوئی تھیں۔ بے شمار فوٹو البم، کچھ بھی تو وہاں نہ تھا۔ مجھے فارسی کی قیمتی ایران سے چھپی ہوئی کتابیں یاد آئیں، دادا جان کے چھوڑے ہوئے قیمتی قلمی نسخے، گلستان سعدی کا نادر نسخہ جو سونے کے پانی سے لکھا ہوا تھا اور دھوپ میں اور چھاؤں میں الگ الگ رنگ کی لکھائی دکھاتا تھا. دادا جان اور والد صاحب کی ذاتی ڈائریاں سب غائب تھیں۔ کمرہ یوں لگتا تھا، گودام کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ سامنے والی پوری دیوار پر جو تصویر پندرہ ہزار روپے سے لگوائی تھی وہ جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی. میں پژمردہ ہو کر لائبریری سے باہر نکل آیا۔ بالائی منزل کا یہ وسیع و عریض لاؤنج بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ یہ کیا؟ اچانک مجھے یاد آیا کہ میں نے

چکوال سے رنگین پایوں والے سُوت سے بُنے ہوئے چار پلنگ منگوا کر اس لاؤنج میں رکھے تھے شاعر برادری کو یہ بہت پسند آئے تھے وہ غائب تھے۔ نیچے گراؤنڈ فلور پر آیا۔ بیوی اکیلی کچن میں کچھ کر رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھا۔ پانچ برسوں میں اتنی تبدیل ہوگئی تھی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیسے پوچھوں کہ گھٹنوں کے درد کا کیا حال ہے؟ ایڑیوں میں بھی درد محسوس ہوتا تھا۔ دوائیں باقاعدگی سے میسر آ رہی تھیں یا نہیں؟ میں اس کے لیے باقاعدگی سے پھل لاتا تھا۔ نہ جانے بچے کیا سلوک کر رہے ہیں؟ مگر... میں بول سکتا تھا نہ وہ مجھے دیکھ سکتی تھی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی بیوی بہت دیر باتیں کرتی رہی۔ جو اس طویل گفتگو سے میں سمجھا یہ تھا کہ بچے اس مکان کو فروخت کرنا چاہتے تھے۔

ماں نے مخالفت کی کہ وہ کہاں رہے گی۔ بچے بضد تھے کہ ہمارے پاس رہیں گی۔ میری بیوی کو میری یہ نصیحت یاد تھی کہ ڈیرہ اپنا ہی اچھا ہوتا ہے مگر وہ بچوں کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال رہی تھی۔ گاڑی کا معلوم ہوا کہ بیچی جا چکی تھی۔ بیوی نے خود ہی بیچنے کے لیے کہا تھا کہ اسے ایک چھوٹی آلٹو ہی کافی ہوگی۔ اتنے میں ملازم لاؤنج میں داخل ہوا۔ یہ نوجوان اب ادھیڑ عمر لگ رہا تھا۔ میں اس کا لباس دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے میری قیمتی برانڈڈ قمیض جو ہانگ کانگ سے خریدی تھی پہنی ہوئی تھی۔ نیچے وہ پتلون تھی جس کا فیبرک میں نے اٹلی سے خریدی تھی۔ اچھا... تو میرے بیش بہا ملبوسات ملازموں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ میں ایک سال لوگوں کی نگاہوں سے غائب رہ کر سب کو دیکھتا رہا۔ ایک ایک بیٹے بیٹی کے گھر جا کر ان کی باتیں سنیں۔ کبھی کبھار ہی ابا مرحوم کا یعنی میرا ذکر آتا وہ بھی سرسری سا۔ ہاں... زینب، میری نواسی اکثر نانا ابو کا تذکرہ کرتی۔ ایک دن ماں سے کہہ رہی تھی: ''اماں... یہ بانس کی میز کرسی نانا ابو لائے تھینا جب میں چھوٹی سی تھی اسے پھینکنا نہیں'' ماں نے جواب میں کہا: ''جلدی سے کپڑے بدل کر کھانا کھاؤ پھر مجھے میری سہیلی کے گھر ڈراپ کر دینا'' میں شاعروں ادیبوں کے اجتماعات اور نشستوں میں گیا۔ کہیں اپنا ذکر نہ سنا۔ وہ جو بات بات پر مجھے جدید غزل کا ٹرینڈ سیٹر کہا کرتے تھے جیسے بھول ہی تو چکے تھے۔ اب ان کے ملازموں نے میری کتابیں بھی الماری سے ہٹا دی تھیں۔ ایک چکر میں نے قبرستان کا لگایا۔ میری قبر کا برا حال تھا۔ گھاس اگی تھی۔ کتبہ پرندوں کی بیٹوں سے اٹا تھا۔ ساتھ والی قبروں کی حالت بھی زیادہ بہتر نہ تھی۔ ایک سال کے جائزے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میری موت سے دنیا کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ زرہ بھر بھی نہیں۔ بیوی یاد کر لیتی تھی تاہم بچے پوتے نواسے پوتیاں سب مجھے بھول چکے تھے۔ ادبی حلقوں کے لیے میں اب تاریخ کا حصہ بن چکا تھا۔ جن بڑے بڑے محکموں اور اداروں کا میں سربراہ رہا تھا وہاں ناموں والے پرانے بورڈ ہٹ چکے تھے۔ دنیا رواں دواں تھی۔ کہیں بھی میری ضرورت نہ تھی۔ گھر میں نہ باہر۔ پھر تہذیبی، معاشرتی اور اقتصادی تبدیلیاں تیزی سے آ رہی تھیں اور آئے جا رہی تھیں۔ ہوائی جہازوں کی رفتار چار گنا بڑھ چکی تھی۔ دنیا کا سارا نظام سمٹ کر موبائل فون کے اندر آ چکا تھا۔ میں ان جدید ترین موبائلوں کا استعمال ہی نہ جانتا تھا۔ فرض کیجیے، میں فرشتوں سے التماس کر کے دوبارہ دنیا میں نارمل زندگی گزارنے آ بھی جاتا تو کہیں بھی ویلکم نہ کہا جاتا۔ بچے پریشان ہو جاتے۔ ان کی زندگیوں کے اپنے منصوبے اور پروگرام تھے جن میں میری گنجائش کہیں نہ تھی۔ ہو سکتا تھا کہ بیوی بھی کہہ دے کہ تم نے واپس آ کر میرے مسائل میں اضافہ کر دیا ہے۔ مکان بک چکا، میں تنہا تو کسی بچے کے پاس رہ لیتی، دو کو اب وہ کہاں سنبھالتے پھریں گے۔

دوست تھوڑے بہت باقی بچے تھے۔ وہ بھی اب بیمار اور چل چلاؤ کے مراحل طے کر رہے تھے۔ میں واپس آتا تو دنیا میں مکمل طور پر اَن فِٹ ہوتا۔ نئے لباس میں پیوند کی طرح۔ جدید بستی میں پرانے مقبرے کی طرح۔ میں نے فرشتے سے رابطہ کیا اور اپنی آخری خواہش بتا دی۔ میں واپس قبر میں جانا چاہتا ہوں۔ فرشتہ مسکرایا۔ اس کی بات بہت مختصر اور جامع تھی: ''ہر انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کے بعد جو خلا پیدا ہوگا، وہ کبھی بھر نہیں جا سکے گا مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ خلا تو کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا'' ہمارے دماغوں میں بھی یہی سوچ ہے کہ یہ گھر یہ کاروبار یہ نوکری یہ دنیا کی گھر کی بچوں کی ضرورتیں اور سارے کام کاج میری وجہ سے ہی جاری ہیں۔ اگر میں نہ رہا تو دنیا کی گردش رک جائے گی۔

قسمت

سہروردی اکرام اللہ کی بیٹی ثروت۔ برطانیہ میں تعلیم کے دوران دونوں میں دوستی ہوئی تھی۔ برات 27 اگست 1968ء کو کراچی پہنچی تھی اور 28 اگست کو نکاح ہوا تھا۔ نکاح نامے پر پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان اور اردن کے حکمران شاہ حسین نے گواہوں کے طور پر دستخط کیے تھے۔ شہزادہ حسن اور شہزادی ثروت نے برسوں یہ خواب دیکھا ہوگا کہ وہ کبھی بادشاہ اور ملکہ بنیں گے لیکن کہانی میں نیا موڑ آیا اور ان کا خواب ٹوٹ گیا۔ شاہ حسین کا اپنا بیٹا بڑا ہو گیا تھا۔ جنوری 1999ء میں اپنی موت سے چند دن قبل شاہ حسین نے بھائی کی جگہ بیٹے عبداللہ کو ولی عہد بنا دیا اور عبداللہ ہی نیا بادشاہ بنا۔

عہد آفرین شاعر جون ایلیا کا اقبال مجیدی کے مجموعہ ذات پر دیباچہ ''ذات وعین ذات''

ماہانہ عابی ڈائجسٹ کراچی کے دفتر میں جون ایلیا اقبال مجیدی علی حیدر ملک جبکہ کھڑے ہوئے ندیم اختر

اقبال مجیدی اپنا مجموعہ کلام ''ذات'' کی تقریب تعارف کے موقع پر محترم جون ایلیا کو پیش کر رہے ہیں۔

اقبال مجیدی 1994ء میں آسٹریلیا کی ایک تقریب میں

اقبال مجیدی کراچی کے حالی مشاعرہ 2091ء میں کلام پیش کر رہے ہیں

دُنیائے ادب کے ممتاز شاعر اختر الایمان کے ساتھ ایک یادگار شام کے موقع پر اقبال مجیدی کلام پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ جون ایلیا، اختر الایمان، بیگم اختر الایمان، حمیدا ے نور، پروفیسر علی حیدر ملک محوِ سماعت ہیں۔

میں اپنی نہاد اور افتاد میں نہ شاعری کا کوئی نقاد ہوں اور نہ مبصر۔ شاعری کے نقاد ،فاضل نقاد اور مبصر اپنے ردّیے کے سائنسی اور بے حد تجزیاتی ہونے پر شدید اصرار کر تے ہیں ۔مگر میں تو محض ایک شاعر ہوں ۔میں اس قسم کے دعوے یا اصرار کی معمولی اہلیت بھی نہیں رکھتا۔ سیدھی سادی بات ہے اور وہ یہ کہ میں تو شاعری کا آدمی ہوں ۔شا عری کے اپنے آپ کا آدمی ۔ چنانچہ مجھ سے کسی سکہ بند نقاد اور تبصرے کی ہرگز کوئی توقع نہیں کی جانی چاہیے۔ میں ایک شاعر کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں ۔ میں اس گفتگو کو بھی اپنی حد سے تجاوز کرنے کے برابر خیال کرتا ہوں ۔مگر بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی میں اپنی حد سے تجاوز کرنے کا داعیہ پیدا ہو جا تا ہے ۔اقبال مجیدی سے میرا اسی نوع کا رشتہ ہے ۔ اقبال مجیدی میں کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ میری ذات اور میری ذاتیات کی نسبت سے میرے لیے ایک بہت خصو صی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، ایک بہت خصوصی حیثیت ۔ہم شاعروں کا گروہ وہ گروہ ہے جس میں شریف ،حساس اور دردمند لوگ افسوس نا ک اور قابل ملامت و ندامت حد تک بہت ہی کم پائے جاتے ہیں ۔اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پہلے یہ با ت جاننا چاہتا ہوں کہ فلاں آدمی انسان ہے کہ نہیں ۔میرے لیے بات یکسر ثانوی درجے کی بات ہے کہ وہ اچھا شاعر ہے کہ برا۔ اگ کسی صاحب کا شاعر ہونا ہی جو ہری حیثیت رکھتا ہے اور مجھے اس بنیاد پر ان سے معاملت رکھنی چاہیے تو پھر میں

رودکی ،فردوسی ،ظہیر فاریابی ،نظیری اور عرفی وغیرہم سے معاملت کیوں نہ رکھوں ؟اقبال احمد (اقبال مجیدی) بہار کی ایک حاصل خیز بستی مونگیر کے ایک بہت فرہ مند علمی ادبی اور تہذیبی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔وہ حضرت مبارک مونگیری جیسے مستند عالم اور شاعر کے فرزند ہیں۔علم وادب کا سلسلہ ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آ رہا ہے۔اقبال مجیدی نے اپنے بزرگوں کا اعلیٰ ورثہ پایا ،جس نے اس کی ذات اور صفات دونوں کو سرمایہ بنایا۔ یہاں میں اقبال مجیدی کے بارے میں ایک خاص بات کہنے کی اپنے دل میں ایک گہری خواہش پا رہا ہوں اور وہ یہ کہ وہ دیکھنے میں جتنے غیر اہم دکھائی دیتے ہیں اتنے غیر اہم ہیں نہیں بلکہ حقیقت حال کچھ اور ہی ہے۔ان کا دیکھنے میں ''غیر اہم'' دکھائی دینا مجھے بہت سکوں پہنچاتا ہے اور بہت ہی اچھا لگتا ہے۔شاید اس لئے کہ اب ہمارے معاشرے میں ''غیر اہم'' لوگوں کا کال پڑتا جا رہا ہے

کسی شخص کے غیر اہم دکھائی دینے کے ایک سے زیادہ مطلب ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ شخص مذکورہ بے ضرر، بے دعویٰ اور بے ریا شخص ہے اور ایسا شخص بعض اوقات بہت ہی ''بے تامل'' ہوتا ہے چنانچہ ایسے شخص سے بہت احتیاط کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔اس لئے کہ اگر اس سے بے احتیاطی کے ساتھ پیش آیا گیا تو وہ یکسر خلاف توقع دَھپ بھی رسید کر سکتا ہے،ایسا دھپ کہ فریق ثانی اٹا غفیل ہو جائے۔اقبال مجیدی کی شاعری کے بارے میں کچھ کہنا میرے لئے سب سے زیادہ آسان کام ہے۔اس لیے کہ وہ میرے شہر ذات میں سانس لینے والا ایک تخلیقی شہری ہے اور اس کی شاعری کے بارے میں کچھ کہنا میرے لیے سب سے زیادہ دشوار کام بھی ہے اور وہ اس لیے کہ وہ میرے شہر ذات میں سانس لینے والا ایک تخلیقی شہری ہے۔

سو میں اس وقت ایک عجب سہولت اور ایک عجیب صعوبت میں مبتلا ہوں یعنی میرا معاملہ یہ ہے کہ میرا اصل مسئلہ شاعر ہے یعنی اقبال مجیدی ہے یعنی ذات ہے صفت یعنی شاعری نہیں،اور یہی بات میرے لیے ایک جنجال بن گئی ہے اور وہ یوں کہ جب شاعر ذات کا اصل مسئلہ ہے تو پھر اسکی شاعری یعنی اسکی صفت علم کلام کی زبان میں میرے لیے غیر ذات کیسے قرار پا سکتی ہے۔شاعری تو معتزلہ اور امامیوں کے نظریئے کی رُو سے میرے لیے اقبال مجیدی کی ذات کا عین ہے۔میں گمان کرتا ہوں کہ آپ کو میری مشکل کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔میں ان سطور کی تحریر کے دوران اصل سروکار اقبال مجیدی سے رکھوں گا۔حضرت اقبال مجیدی سے نہیں کہ یہ میرے لئے ناگزیر ہے۔اب یہ مجبوری ہے کہ اقبال مجیدی سے سروکار رکھنے کے لیے اس کی شاعری سے سروکار رکھے بغیر کوئی چارہ نہیں۔شعریات سے تعلق رکھنے والے ان گنت نظریوں سے سروکار رکھے بغیر میں اقبال مجیدی کی شاعری کی حد تک سامنے کی جو بات کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ شاعری اسکے نزدیک میرے گمان کے مطابق بنیادی طور پر تزکیہ نفس کا تو پرتو اور تہ در تہ کردار انجام دیتی ہے۔یہاں میں یہ بات کہنے کا ایک طاقتور داعیہ رکھتا ہوں کہ تزکیہ نفس کوئی محض ذاتی یا صوفیانہ معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ ''انسان کلی'' کا معاملہ ہے اور یہ کہ یہ معاملہ ذات اور بیرون ذات دونوں کو محیط ہے۔

سکوں جذبوں کو ہوتا ہے میسر سخن کرنے کا یہ بھی اک سبب ہے

اس کے علاوہ سخن کرنے کے بہت سے سبب ہیں مثلاً ''حسرت فریاد'' درد کے کسی موسم میں چھاؤں میں جلنے لگنا۔''یادوں کے مندر میں'' کسی کے آ جانے سے دل میں ہوک اُٹھنا اور کھلبلی مچنا''اور پیار بے اختیار کرتے'' رہنے کے ساتھ ''اک سخن بار بار کرتے'' رہنا اب چند شعر سنئے۔

مہرِ سکوت لب پہ لگی بزم ناز میں دل میں لئے میں حسرت فریاد آ گیا
درد کا ہے یہ کون سا موسم میں تو جلنے لگا ہوں چھاؤں میں
کون یادوں کے مندر میں پھر آ گیا ہوک دل میں اُٹھی مچ گئی کھلبلی
پیار بے اختیار کرتے رہے اک سخن بار بار کرتے رہے

یہ ہیں شاعر کے نزدیک کسی کیفیت یا حالت کو معرض اظہار میں لانے کے چند اسباب۔ان اسباب کو احساس کے ساتھ برتیے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ شاعر کے نفس سے سفر کر کے جو کچھ معرض اظہار میں آتا ہے وہ ذات سے بیرون ذات کی غیر معین مسافت کا سفر نامہ ہے یعنی تخلیق فن باطن اور ظاہر کی ساخت اور پرداخت اور شکست وریخت کی صورت معاملہ کے تمام تر کی حساب فہمی اور حساب دہی ہے۔

میں اپنے لان کے قدیم ساکن شریفے کے پیڑ کی کسی بھی شاخ پر ایک لل لا سرے کے کئی بار آ کر قیام کرنے کی صورت حال کو اپنے طور پر دیکھتا ہوں اور دیکھنے کی اس حالت میں اپنے طور پر منہمک ہوتا ہوں۔میرا یہی معاملہ اقبال مجیدی کے ساتھ بھی ہے۔اقبال مجیدی کو بھی میں یکسر اپنے طور پر جانتا ہوں اور جاننے کی اس حالت کو اپنے طور پر بسر کرتا ہوں۔اقبال مجیدی کی زندگی بڑی پُر حوادث رہی ہے۔اس نے یقینی موت کے تنگ ترین حصار میں ایک سے زیادہ مرتبہ خوش تنفس زندگی کی ہے۔اس کی شخصیت میں توانائی کی ایک ماجرا طلب ترنگ پائی جاتی ہے۔وہ قریب قریب خوں گرفتگی کی حالت میں بھی حسن خیر اور زندگی پرور خوابوں اور خیالوں کا نواگر رہا ہے۔اس کی ذات میں ایک خاص طور کی صلابت پائی جاتی ہے جس کا بے حسی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔یہ اس نوع کی صلابت ہے جو

عزت نفس کی خجستگی اور صداقت پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے۔اس کی انا اس کے علوے نفس کی زائیدہ ہے۔اس کی تیور اس کی شرافت مزاج کے پروردہ ہیں۔اب اس کے چند متفرق شعر دیکھیے، جو اس کی ذات اور شخصیت کا بہترین تعارف ہیں۔

حصار ذات ہے اور تیرگی کا پہرا ہے — یہ میرا دم ہے کہ بجھ بجھ کے جل رہا ہوں میں
میں ظلم کی نفرین پہ قائم ہوں ابھی تک — جرات ہو کسی میں تو مرے سامنے آئے
جو کہتا ہوں و ہ کرتا ہوں مجیدی — نہیں اک ساتھ دو کردار میرے

ہم اس کی ذات کی محری اس اشعار کے ذریعے بڑی آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔آپ نے اس کے تیور دیکھے۔وہ اپنے محبوب سے بھی انہیں تیوروں کے ساتھ معاملت کرتا ہے۔

بہ آسانی نہ حاصل کر سکو گے — بہت مہنگا ہوں میں سستا نہیں ہوں
وہ مرتا ہے مرے طور انا پر — مجھے اس کی طلب کوئی نہیں ہے

آپ نے ان اشعار کے ذریعے یہ بات پوری طرح سمجھ لی ہوگی کہ یہ شاعر کس طور کا آدمی ہے۔اب ہم اس آدمی کی شاعری کے مختلف پہلوؤں سے ایک معتبر نسبت قائم کر سکتے ہیں۔میں نے ابھی اس کے محبوب کا تذکرہ کیا تھا۔اس نے اپنی شاعری میں فقط اپنا ہی معاملہ پیش نہیں کیا، اپنے محبوب کا مقدمہ بھی پیش کیا ہے۔وہ صرف اپنا ہی وکیل نہیں ہے اپنے محبوب کا بھی وکیل ہے۔شاید میری ہی طرح۔

پس پردہ وہ شخص بیکل ہے — اس کی آنکھوں سے نیند اوجھل ہے
جا نے مجیدی با ت تھی کیا — وہ جو چھپ کر روتا تھا

وہ جب اپنے محبوب سے گلہ کرتا ہے تو وہ کوئی پیشہ ورانہ گلہ نہیں ہوتا۔وہ اپنی گلہ گزاری میں باہمی رشتے کا پوری دل سوزی کے ساتھ لحاظ رکھتا ہے اور اس طرح ایک عجب احساس آگیں صورت حال ظہور میں آتی ہے۔

آؤ دیکھو یہ گھر کی ویرانی — ایک وحشت یہاں مسلسل ہے
آ کے دیکھو تو گھر کی ویرانی — تم نے کب اپنے گھر کی پر وا کی

دیکھئے اس کی غزل میں ''گھر'' کتنی بلیغ حقیقت اور ذاتِ ذات کے کس قدر گہرے رشتوں کی حال پروری کے ساتھ صورت پذیر ہوا ہے۔وہ معاملات کو اسی طرح حیطۂ احساس اور معرض اظہار میں لاتا ہے جس طرح کہ وہ ہیں۔اس طرح نہیں جس طرح وہ چاہتا ہے۔ہمیں اسکے یہاں ایک ''رومانی حقیقت پسندی'' ملتی ہے۔میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری اس تضاد آمیز تعبیر یعنی ''رومانی حقیقت پسندی'' پر ہنسی آرہی ہوگی مگر کیا کروں ایسا تو ہے۔منطق میری اس تعبیر کا بہت مذاق اُڑائے گی مگر اُڑایا کرے۔یہ وہ ''حقیقت'' ہے جس کا ادراک شاعری ہی کر سکتی ہے منطق فلسفہ اور علم کلام نہیں۔مجھے اچانک ایک بات یاد آگئی وہ یہ کہ مغرب کے فلسفی اور فلسفے کے موّرخین ایک اصطلاح سے بڑی شیفتگی رکھتے ہیں اور وہ اصطلاح ہے METAPHYSICAL MATERIALISM یعنی مابعد الطبیعاتی مادّیت۔جب وہ یہ متضاد اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں تو میں برصغیر کا ایک غریب قلم کار ''رومانی حقیقت پسندی'' کی ترکیب کیوں نہیں استعمال کر سکتا۔میری گزارش ہے کہ آپ اسے میرا شوق مکابرہ نہ سمجھیں۔

دعوائے محبت تو دونوں کو برابر تھا — پابند وفا لیکن تم ٹھہرے نہ ہم ٹھہرے
گزرے وقتوں کی یاد رہنے دو — اب وہ ماضی کہاں وہ حال کہاں
بس تجھے دیکھنے کی حسرت تھی — میں کہاں اور عرض حال کہاں
پیچ وخم حیات کا مشکل ہے سامنا — گیسو ترے نہیں ہیں کہ اُلجھے سنور گئے
وہ تکلیف کرم کیا خاک کرتے — یہ گھر بھی تو کسی قابل نہیں ہے
آدمیت کتنی افسردہ ہے آج — ''آدمی'' اب آدمی جیسا نہیں

آدمی کے لفظ پر مجھے اقبال کی شاعری کے انسانی پہلو کا خیال آگیا ہے۔اقبال نے شاعری کے اس سب سے اہم کردار کی اہمیت اور رمزیت کو اپنے اندرون میں پوری کیفیت آگہی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

ہم بھی کس دور میں ہوئے پیدا — اک شکنجے میں آدمیت ہے
نفرتوں کی وہ فصلیں ہوئی حائل تو بہ — اپنے سائیے سے بھی انسان گریزاں گزرا

''آدمی اب آدمی جیسا نہیں'' جیسے سانحے کے احساس کے ساتھ جب وہ خود اپنے گردوپیش کو دیکھتا ہے تو نڈھال ہو جاتا ہے۔

قبیلوں میں اُلجھ کر رہ گیا ہوں *** پنپنے کے نہیں آثار میرے
جو شخص ہے وہ جھوٹ کی چادر کو ہے اوڑھے *** پر سچ کو کوئی اوڑھنے والا نہیں ملتا
نفرتوں کی دُھوپ پھیلی ہے یہاں *** کوئی سایہ اور ہم سایہ نہیں
دل کی ویرانی کا ماتم کیجئے *** شہر بھی لگتا ہے اب اُجڑا ہوا
گھر سے نکلے تو ماں لرزتی ہے *** جب سے بیٹا مرا جوان ہوا

اقبال نہ تو خیال بندی کی ہوس میں مبتلا ہے اور نہ عرصۂ تخلیق میں کسی نادرہ جوئی کا پے گرد ہے۔اسے اپنی حدود کا پوری طرح اندازہ ہے۔اسے اس بات کی مکمل آگہی حاصل ہے کہ وہ شاعری کے کونین میں اعراف کا شہری ہے۔مگر یہاں جس بات کا اندازہ ضرور لگانا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کے اپنے طورِ احساس کا کیا درجہ ہے؟ اس کا تعین اس کے اشعار ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی بے رُخی سے زندہ تھے *** مر گئے آپ کی عنایت سے
ہجر میں جو مزہ ملا مجھ کو *** تجھ میں اے لذت وصال کہاں

دیکھئے اس کا طور احساس منافات میں کس شیوا بیانی کے ساتھ ماجرا پردہ ہوا ہے۔کسی کی

''بے رُخی سے زندہ'' رہنا اور ''عنایت سے'' مرجانا اس کا اپنا ہی ایک طور ہے۔

بس تجھے دیکھنے کی حسرت تھی*** میں کہاں اور عرض حال کہاں

کسے آواز دیتے ہو مجیدی*** تمہارے گھر میں اب کوئی نہیں ہے

شاعر نے ان شعروں میں اپنی اپنی نوعیت کے دو معاملے بیان کئے ہیں۔ معاملوں کا بیان شاعری کا یقینا بہت اہم معاملہ ہے۔ مگر غزل میں جو طور احساس کی قدر ہے اس کی وہ قدر شاید کسی اور صنف شعر میں نہیں ہے۔ طورِ احساس کے ساتھ مجھے طورِ معاملہ کا خیال آیا۔ احساس، تخیل اور جذبے کی نسبت سے ہر شاعر کا اپنا ایک طورِ معاملہ ہوتا ہے جس کے بارے میں اس کے سوا اور کوئی بھی کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ یعنی کوئی نقاد ہو یا کوئی فاضل قاری، ان میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کی رُخصت حاصل نہیں ہے کہ یہاں شاعر کو یہ طورِ معاملہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ اپنے طورِ معاملہ کا تعین صرف شاعر ہی کر سکتا ہے۔

ہوش سے اپنے جا رہا تھا میں*** پر تری یاد درمیاں آئی

کم نہیں یہ خوشی مجیدی بھی*** زندگی غم سے ہمکنار ہوئی

بھرم میں نے بھی رکھا مصلحت کا*** کئی احباب تھے فنکار میرے

ماضی سے اس کا اپنا ایک طور معاملہ ہے اور مستقبل سے اپنا ایک طور معاملہ چا ہے اس طور میں کوئی ندرت پائی جاتی ہو یا کوئی بھی ندرت نہ پائی جاتی ہو۔

رواں دواں یہ محبت کا کا رواں رکھنا*** بہت کٹھن ہے سفر حوصلہ جواں رکھنا

گزر گئی جو قیامت نہ بھولنا اس کو*** سمو کے اپنی نگاہوں میں وہ سماں رکھنا

نہ جانے کیوں میں اقبال کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے اس لمحے اپنے ذہن میں ایک بے ضبط قسم کا رُجحان پا رہا ہوں۔ اس باب میں مجھے تمہیداً کچھ کہنا چاہیے۔ غزل کا ہر شعر ایک قائم بالذات یا زیادہ صحیح تعبیر کی رُو سے مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اپنا تشخص غزل کے دوسرے اشعار سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس سلسلے میں اگر ہم ایک قدم اور آگے بڑھ جائیں تو بات یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے کہ شعر کا ہر مصرع بھی بہر حال ایک تشخص رکھتا ہے یعنی ہم شعر کے ہر مصرع سے ایک جداگانہ معاملت رکھ سکتے ہیں اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ بھلا اس میں کیا مضائقہ ہے۔ سو میں اقبال کی غزلوں کے متفرق مصرعوں کو گنگنانا شروع کرتا ہوں۔

☆۔ خدا جانے اسے کیا ہو گیا ہے

☆۔ اب اپنی ذات کے اندر سمٹ گیا ہوں میں

☆۔ یہ کہنہ زخم ہے تازہ نہیں ہے۔

☆۔ یہاں جو دن ہے وہ مانندِ شب ہے

☆۔ توقع اس سے پہلے تھی نہ اب ہے

☆۔ وفورِ شوق میں خود سے لپٹ گیا ہوں میں

☆۔ محبت سے بھی دل ڈرنے لگا ہے

☆۔ کیوں چراغوں کو گراں جشنِ چراغاں گزرا

☆۔ یہ کیسا شور دل میں مچ رہا ہے

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان مصرعوں کا یہ حق نہیں ہے کہ ان میں سے ہر مصرع کے ساتھ مستقل بالذات معاملت پُر احساس اور تاثر آگیں معاملت کی جائے اور اس امر سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے کہ اس کا دوسرا مصرعہ کیا ہے۔ میں یہاں یہ سوچنے لگا ہوں کہ اگر ایک ہی مصرعہ کام کر جائے تو پھر دوسرا مصرعہ ایجاد کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔ میں نے اقبال کی شاعری میں اب تک جو سفر کیا ہے اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کے تخلیقی نفس کے خاص معاملات کیا کیا ہیں۔ اب میں اس کے فنِ طرزِ فن یا اس کی شعری ساختمان کے بارے میں کچھ محسوس کرنا اور کہنا چاہتا ہوں۔

اقبال کے ہاں اظہار کی ایک ایسی سہولت پائی جاتی ہے جس پر کہیں کہیں بڑے اعتماد کے ساتھ داد دی جانی چاہیے۔ اظہار کی اس سہولت سے جو پُر طوری نمو کرتی ہے وہ خصوصی طور پر قابل توجہ ہے۔

تمہیں نالوں کا اندازہ نہیں ہے*** صدائے دل ہے آوازہ نہیں ہے

ملا جو غم مجھے راہِ طلب میں*** وہ کفارہ ہے خمیازہ نہیں ہے

تم مجھے بعد میں ڈبولیتا*** سر سے طوفان تو گزر جائے

کہاں پہنچوں گا میں اس کی گلی تک*** کہ خود اپنی گلی میں کھو گیا ہوں

سرابوں کا سہارا بھی نہیں اب*** بیاباں میں سمندر رو گیا ہوں

اب نہیں ہے قریب وہ میرے*** دور تنہائی میں نے تنہا کی

میں نے اظہار کی سہولت کے ساتھ پُر طوری کا ذکر کیا تھا۔ میں نے ''پُر طوری'' کی ترکیب پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ایجاد اور استعمال کی ہے یہاں میں اپنے بارے میں یہ بات کہتا چلوں کہ میں معاشرے کا شاید ایک بے حد غیر ذمہ دار شہری ہوں۔ مگر جہاں تک شاعری کا تعلق ہے تو اس باب میں مجھے اپنی برابر کے ذمہ دار متنفس کم ہی ملے۔ بہر حال ''صدائے دل'' ''آوازہ'' نہ ہونا ''غم'' خمیازہ'' نہ ہونا ''سر سے طوفان'' گزر جانے اور ''بعد میں ڈبو لینا'' کا مشورہ یا عرض داشت پیش کرنا۔ ''اس کی گلی تک'' پہنچا تو کہاں ''خود اپنی گلی میں'' کھو جانا ''سرابوں کا سہارا'' نہ ہونے کے باوجود ''بیاباں میں سمندر'' رو جانا اس کے ''قریب'' نہ ہونے کے عالم میں ''تنہائی'' کو ''تنہا دور'' کرنا صرف اظہار کی سہولت کے مظاہر اور پُر

طوری ہی کے شواہد نہیں ہیں بلکہ ان دو حقیقتوں کے علاوہ ایک تیسری حقیقت کے انفعال پرور ارتسامات بھی ہیں جن سے شاعری کے اقانیم ثلاثہ کا تیسرا اقنوم وجود میں آتا ہے جس کو معروض بیان قرار دینا آسان نہیں ہے۔تو یہ ہے اقبال مجیدی ولد حضرت مبارک مونگیری اور اس کی شاعری۔اچھی یا بری شاعری۔لیکن ایک بات ہے اور وہ یہ کہ اس کی شاعر کے بارے میں ہر ایرے غیرے کو کوئی فیصلہ صادر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

میں اپنی بات تمامی کو پہنچا چکا تھا کہ اچانک اس کی ایک غزل میرے سامنے آگئی ہے۔یہ غزل اس نے مجھے نہیں سنائی تھی۔اس کو پڑھنے کے بعد میں بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔یہ غزل اردو کی ایک صفِ اوّل کی غزل کی زمین میں کہی گئی ہے۔اگر وہ اس زمین میں غزل کہنے کا آغاز کرنے سے پہلے مجھ سے یہ کہتا کہ جون بھائی میں اس زمین میں غزل کہہ رہا ہوں تو میں اس سے اپنی انتہائی محبت اور شفقت کے باوجود یہ کہے بغیر نہ رہتا کہ بوبک ہو گئے ہو، بولیا گئے ہو، دماغ چل گیا ہے کیا۔میرے بہاری پن کو اختیار کرنے کا انجام دیکھنے کے باوجود بہاری پن سے باز نہیں آوگے؟ یہ غزل حضرت شاد عظیم آبادی کی اس شہرۂ آفاق غزل کی زمین میں کہی گئی ہے جس کا قیامت خیز مطلع یہ ہے۔

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں٭٭٭ کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

اس زمین میں حضرت حفیظ جالندھری نے بھی غزل کہی ہے اور بڑے بھائی (حضرت رئیس امروہوی) نے بھی۔بڑے بھائی کی غزل اپنی ماہیت میں غزل نہیں بلکہ ایک طویل نظم ہے۔ان دو شاعروں کے سوا میں نے اس زمین میں کسی اور شاعر کی غزل نہیں پڑھی۔اقبال کی یہ غزل پڑھ کر میں گم ہو کر رہ گیا ہوں۔میں یعنی جون ایلیا۔آپ بھی یہ غزل پڑھئے، پوری غزل۔

جب اس محفل میں بلوایا گیا ہوں۔☆۔میں لے کر جاں کا سرمایہ گیا ہوں
نشاط انگیز سی دھڑکن ہے دل میں۔☆۔میں شاید یاد فرمایا گیا ہوں
جدائی ہو تو جیسے ہوا دا ہو۔☆۔بہر صورت میں تڑپایا گیا ہوں
تری محفل سے کیا شکوا ہو مجھ کو۔☆۔نہ بیٹھا ہوں نہ اُٹھوایا گیا ہوں
مرا قصہ ہی کیا میں زندگی بھر۔☆۔فقط باتوں سے بہلایا گیا ہوں
ہے یکسر خواب کا عالم مجیدی۔☆۔میں اس محفل میں بلوایا گیا ہوں

مجھے اس غزل کے بارے میں دراز نویسی اور دراز نفسی سے کام لینا چاہیے تھا اس کی بساطت اس کی برنائی اور برومندی پر بہت کچھ کہنا چاہیے تھا مگر ہے یوں کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ پا رہا۔بس عاجزاً اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے حضرت شاد عظیم آبادی کی اس زمین میں اس غزل سے بہتر غزل آج تک نہ پڑھی نہ سنی۔ (جون ایلیا۔۲ جنوری ۱۹۹۶ء)

٭٭٭٭٭٭٭

شمشاد شاد

کچھ غم نہیں کسی کو سروکار ہو نہ ہو
کوئی مری وفا کا طلب گار ہو نہ ہو
آنکھوں میں آنکھیں ڈال مری، تجھ کو اس سے کیا
فرطِ حیا سے سرخ یہ رُخسار ہونہ ہو
دیکھا جو تم نے پیار سے تسکین مل گئی
اچھا اب اس کے بعد یہ بیمار ہو نہ ہو
رشتوں کے بیچ آ ہی گئی ہے دراڑ تو
کیا فرق کوئی اینٹ کی دیوار ہو نہ ہو
پختہ ارادہ لے کے چلے ہیں سفر پہ ہم
رستہ ہمارے واسطے ہموار ہو نہ ہو
ان خوشنما نظاروں کو جی بھر کے دیکھ لے
بارِ دگر تو نیند سے بیدار ہو نہ ہو
سولی پہ لایا جاتا ہے اک عام آدمی
یہ بات الگ کہ شادؔ خطاوار ہو نہ ہو

٭٭٭٭٭٭٭

لیتیں سرتقی

امام وقت کو ہم نے مانا
دشمن ہوا ہے سارا زمانہ
خوں کے پیاسے چھوٹے بڑے ہیں
ہمیں مٹانے کی خاطر کھڑے ہیں
کیں شہادتیں اور گھر بھی جلائے
پھر بھی ملاں کو صبر نہ آئے
فرمایا تھا رب نے کہ آئے گا مہدی
رسول خدا نے بھی جسکی خبر دی
سلام اس کو میرا ہر صورت پہنچانا
برفوں پہ چل کے گر پڑے تجھ کو جانا
منبر پہ چڑھ کے یہ سفاک ملاں
حقیقت چھپائے یہ چالاک ملاں
ڈر ہے اسے بند نہ ہو جائے روٹی
ملے گا نہ حلوہ ملے گی نہ بوٹی
آشکار ہوا حق تو وہ کیا کرے گا
ملے گا نہ دھن اور بھوکا مرے گا

٭٭٭٭٭٭٭

شمع اور دہلوی خاندان کا عروج وزوال

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

تحریر: معصوم مرادآبادی

یہ گزشتہ یکم اگست کا واقعہ ہے۔ ملک بھر میں عید الاضحیٰ کا تہوار جوش وخروش کے ساتھ منایا جارہا تھا۔لوگ جوق در جوق سنت ابراہیمی کی پیروی میں مشغول تھے۔ اچانک ٹوئٹر پر ایک نوجوان کا دردانگیز پیغام اُبھرتا ہے۔ ''سب کوعید مبارک۔ یہ ہمارے لئے ایک مشکل گھڑی ہے۔امّی اسپتال میں ہیں۔ اگر ممکن ہوتو برائے مہربانی ان کے علاج کے لئے دل کھول کر امداد کیجئے۔شکریہ۔'' جس نوجوان کی طرف سے مدد طلب کی گئی تھی، وہ کسی معمولی خاندان کا چشم وچراغ نہیں تھا۔ یہ ایک ایسے خوشحال گھرانے کا بیٹا تھا، جہاں کسی زمانے میں ہرعیدالاضحیٰ پر تقریباً 100 بکرے ذبح ہوتے تھے اور ہرسال جاڑوں کے موسم میں غریبوں کو بانٹنے کے لئے سینکڑوں لحاف تیار کئے جاتے تھے۔جس ماں کے علاج کے لئے اس نے امداد طلب کی تھی، اس نے دون اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی اور اس کی پرورش و پرداخت ایک ایسی عالیشان کوٹھی میں ہوئی تھی جس میں پندرہ افراد کے رہنے کے لئے چالیس کمرے تھے۔ یہ کوٹھی نئی دہلی کے سردار پٹیل روڈ پر ڈپلومیٹک انکلیو میں واقع تھی اور جب اسے فروخت کیا گیا تو اس کی قیمت 75 کروڑ روپے ملی، جو تین بھائیوں میں تقسیم ہوئی۔ان میں سب سے بڑے بھائی کا نام یونس دہلوی تھا، جو مشہور زمانہ فلمی اور ادبی رسالہ 'شمع' کے ایڈیٹر تھے۔جس نوجوان نے اپنی ماں کے علاج کے لئے چندے کی اپیل کی تھی اس کا نام ارمان دہلوی ہے اور وہ یونس دہلوی کی بیٹی سعدیہ دہلوی کا اکلوتا بیٹا ہے۔سعدیہ دہلوی بہت نازنخروں میں پلی بڑھی تھیں۔ انہوں نے گزشتہ 5/اگست کو جب کینسر جیسے موذی مرض سے لڑتے ہوئے جان ہاری تو وہ 63 برس کی ہوچکی تھیں اور کئی سال سے اس موذی مرض سے نبرد آزما تھیں۔مرض کی تشخیص اس وقت ہوئی جب یہ چوتھی اور خطرناک اسٹیج میں داخل ہوچکا تھا۔سعدیہ دہلوی سے میری کوئی ذاتی جان پہچان نہیں تھی۔ ہاں دہلی کی سماجی زندگی میں ان کے عمل دخل سے میں خوب واقف تھا۔ وہ اکثر ہائی پروفائل لوگوں کے ساتھ نظر آتی تھیں اور شاندار پارٹیوں میں شرکت کرتی تھیں۔ البتہ ان کے والد یونس دہلوی کو میں نے قریب سے دیکھا۔ وہ اردو اخبارات کے مدیروں کی سب سے پرانی تنظیم آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس کے جنرل سیکرٹری تھے اور میں اس کا سیکرٹری۔کانفرنس کی میٹنگوں اور جلسوں میں ان سے ملاقات ہوتی تھی اور ان کے ساتھ کام کرنے کے مواقع ملتے رہتے تھے۔اس سے قبل میں نے یونس دہلوی اور سعدیہ کو اس وقت دیکھا تھا جب 1977ء میں کچھ عرصہ مجھے رسالہ ''شمع'' کے دفتر میں ادبی معمّے چیک کرنے کا کام ملا تھا۔ یہ 'شمع' کے عروج کا زمانہ تھا اور وہاں دہن برس رہا تھا۔ میں نے 'شمع' خاندان کے عروج اور زوال دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔میری طرح اس شہر میں نے جانے کتنے لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اس خاندان نے آزادی کے بعد جتنا عروج پایا اتنا شاید ہی دہلی کے کسی اور مسلم خاندان کو نہ ملا ہو۔لیکن اتنے عروج کے بعد اس خاندان کا زوال بھی اسی تیزی کے ساتھ ہوا، جسے دیکھ کر مجھے اکثر خواجہ عزیز حسن مجذوب کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے۔☆۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یونس دہلوی کا گزشتہ سال فروری میں طویل بیماری کے بعد انتقال ہوا تو مجھے ان پر تفصیلی مضمون لکھنے کے لئے ضروری مواد کی تلاش تھی۔اس کام کے لئے کئی بار سعدیہ سے میری بات ہوئی، لیکن وہ میری کوئی مدد نہیں کرسکیں۔ کیونکہ اپنے والد کی موت سے وہ خاصی نڈھال تھیں اور خود بھی ایک موذی بیماری سے لڑرہی تھیں۔ بعد کو میں نے اپنی یادداشتوں کے حوالے سے یونس دہلوی اور 'شمع' کی صحافتی خدمات پر ایک تفصیلی مضمون قلم بند کیا، جو ماہنامہ 'آج کل' میں شائع ہوا تھا۔یونس دہلوی کے انتقال کی اطلاع ملنے کے بعد جب میں نے ان کی تدفین کے بارے میں سعدیہ سے تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ وہ شیدی پورہ قبرستان میں دفن ہوں گے، جو پرانی دہلی میں عیدگاہ کے قریب واقع ہے۔میرے لئے اس قبرستان کا نام بالکل نیا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ پنجابی سوداگران برادری کا مخصوص قبرستان ہے اور اس میں دہلی کی پنجابی برادری کے لوگ دفن ہوتے ہیں۔سعدیہ دہلوی کو بھی 6 اگست کو اسی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔حالانکہ وہ چاہتی تھیں کہ انھیں درگاہ حضرت نظام الدین کے قریب واقع اس قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں وہ اکثر جمعرات کو جایا کرتی تھیں، لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ انھیں خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت نظام الدین اولیاء سے بڑی عقیدت تھی اور اسی عقیدت نے انھیں تصوف کی طرف مائل کیا تھا۔ انھوں نے حضرت نظام الدین اور صوفی ازم پر انگریزی میں کئی کتابیں لکھیں۔وہ دہلی کی تاریخ اور

ثقافت پر انگریزی اخبارات میں اکثر مضامین لکھا کرتی تھیں۔ دہلی کے کھانوں اوران کے بنانے کے طریقوں پر بھی انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی جو خاصی مقبول ہوئی۔ خود انھوں نے اپنی والدہ کے ساتھ مل کر نئی دہلی کے چانکیہ پوری علاقہ میں 'الکوثر' کے نام سے ایک کباب کارنر کھولا تھا۔ سعدیہ دہلوی کے انتقال سے دہلی کے سماجی، تہذیبی اور ادبی حلقوں میں سوگ کی لہر ہے۔ 'ہندوستان ٹائمز' اور 'انڈین ایکسپریس' جیسے انگریزی اخبارات میں ان پر مضامین شائع ہوئے ہیں۔ سعدیہ دہلوی کا تعلق پرانی دہلی کے ایک قدامت پسند مذہبی خاندان سے تھا۔ ان کے دادا یوسف دہلوی حافظ قرآن تھے اور وہ سفید براق کرتا پائجامہ پہنتے تھے۔ انھوں نے 1939ء میں پرانی دہلی کے پھاٹک حبش خاں سے 'شمع' کی اشاعت شروع کی تھی جسے ان کے بڑے بیٹے یونس دہلوی نے بام عروج تک پہنچایا۔ بعد کو یہ خاندان پرانی دہلی سے سردار پٹیل روڈ پر ایک عالیشان کوٹھی میں منتقل ہوا۔ سعدیہ کی تعلیم وتربیت اسی جدید اورخوشحالی کے ماحول میں ہوئی۔ ان کی تعلیم وتربیت کا زمانہ وہ تھا جب 'شمع' اپنے دور کا سب سے مقبول فلمی اورادبی رسالہ تھا۔ سردار پٹیل روڈ پر واقع ان کی کوٹھی پر فلمی ستاروں کی لائن لگی رہتی تھی۔

دلیپ کمار سے لے کر مینا کماری تک ایسا کون سا فلمی ستارہ تھا جو 'شمع ہاؤس' میں نہ آتا ہو۔ 'شمع' کا دفتر بھی پھاٹک حبش خاں سے آصف علی روڈ پر منتقل ہو چکا تھا، جہاں سے 'شمع' کے علاوہ 'مجرم'، 'شبستاں'، 'بانو' 'کھلونا' اور ہندی ماہنامہ 'سشما' شائع ہوتے تھے۔ سعدیہ دہلوی ماہنامہ 'بانو' کی ایڈیٹر تھیں۔ 'شمع' کے دفتر میں 100 سے زیادہ افراد کام کرتے تھے اوران میں کئی قابل ہستیاں تھیں جو 'شمع' اور دیگر جرائد کو چار چاند لگاتی تھیں۔ اس ادارے سے کسی زمانے میں 'آئینہ' جیسا اخبار بھی نکلا تھا جس کے ایڈیٹر ظ۔ انصاری مرحوم تھے۔ سعید سہروردی، سلامت علی مہدی اور رحمن نیر بھی کسی زمانے میں 'شمع' گروپ سے وابستہ رہے۔ پرانی یادوں کو تازہ کرتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ 'شمع' اوراس کے مالکان کے کیسے جلوے تھے۔ 'شمع' ادبی معمّوں نے ان پر دولت کی کیسی بارش کی تھی اور دہلی میں ان کا کیسا طوطی بولتا تھا۔ 'شمع' کی اشاعت ایک لاکھ کاپیوں تک پہنچ گئی تھی اوراس میں بڑے بڑے کاروباری اداروں کے اشتہارات شائع ہوتے تھے۔ ہر فلمی ستارہ اس میں شائع ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ واجدہ تبسم جیسی کئی ادبی ہستیوں کو اسی سے شہرت اور دولت ملی۔ لیکن آج جب کبھی میں آصف علی روڈ سے گزرتا ہوں تو 'شمع' کے کھنڈرنما دفتر کو دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ 'شمع' 'سشما' 'کھلونا' 'بانو' اورشبستاں کے بورڈ وہاں آج بھی آویزاں ہیں لیکن ان پر وقت کی اتنی گرد جم چکی ہے کہ انھیں پہچاننا مشکل ہے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے رنج ہورہا ہے کہ 'شمع' کے بند ہونے کے بعد یونس دہلوی، ادریس دہلوی اور الیاس دہلوی نے گمنامی کی زندگی گزاری اور وہ آہستہ آہستہ لوگوں کی یادداشت سے محو ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ادریس دہلوی اور الیاس دہلوی کے بارے میں لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کا انتقال کب ہوا اور وہ کہاں دفن ہوئے۔ اگر یونس دہلوی کے انتقال کی خبر مجھ تک نہیں پہنچتی تو شاید ان کے بارے میں بھی لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا۔ سعدیہ دہلوی دراصل ایک بے چین روح کا نام تھا۔ وہ ایک پارہ صفت خاتون تھیں۔ ان کی پہلی شادی کلکتہ کی مشہور سماجی شخصیت خان بہادر محمد جان کے بیٹے محمد سلیمان سے ہوئی تھی جو زیادہ دنوں چل نہ سکی اور جلد ہی علحدگی ہوگئی۔ مرحومہ نے اس کے بعد 1990ء میں ایک پاکستانی شہری رضا پرویز سے شادی کی، جو ان سے عمر میں بیس برس بڑے تھے اور دو جوان بیٹوں کے باپ تھے۔ دونوں نے کچھ وقت کراچی میں گزارا جہاں 1992ء میں ان کا بیٹا ارمان پیدا ہوا۔ اس شادی کا بندھن 12 سال بعد اس وقت ٹوٹا جب ان کے خاوند نے بذریعہ ای میل انہیں تین مرتبہ طلاق لکھ کر بھیجا۔ ہندستان میں ای۔ میل کے ذریعہ طلاق کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ اس شادی کے نکاح نامے پر مشہور انگریزی صحافی خشونت سنگھ نے بطور وکیل دستخط کئے تھے، جن کا سعدیہ سے قریبی تعلق تھا۔ اپنی ایک انگریزی تصنیف خشونت سنگھ نے سعدیہ کے نام معنون کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سعدیہ دہلوی کے نام، جس نے مجھے اس قدر محبت اور بدنامی دی جس کا میں سزاوار نہ تھا''۔ خشونت سنگھ نے اپنی ایک کتاب میں سعدیہ دہلوی کی تصویر سرورق پر استعمال کی تھی اوراس میں ان پر ایک باب بھی لکھا تھا۔ سعدیہ جذباتی طور پر انتہائی سیماب صفت اور بڑی حد تک منہ پھٹ خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی تجربات کئے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکیں۔ وہ ایک کامیاب تاجر، ایک صحافی اور نہ جانے کیا کیا بننا چاہتی تھیں، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ انھیں گھوڑ سواری کا بھی بہت شوق تھا۔ ان کے انتقال پر مجھے مرزا غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی۔☆۔اک 'شمع' رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

***

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

شادی کیا ہے؟

شادی: وہ خوبصورت جنگل ہے جہاں ''بہادر شیروں'' کا شکار ہرنیاں کرتی ہیں۔!!

شادی: مطلب اجی سنتے ہو سے لیکر..بہرے ہو گئے ہو کیا؟ شادی تک کا سفر۔!!

شادی: مطلب تیرے جیسا کوئی نہیں سے لیکر تیرے جیسا بہت دیکھے ہیں۔!!

شادی: مطلب آپ رہنے دیجئے سے لیکر آپ تو رہنے ہی دیجئے۔!!

شادی: تک کا سفر...شادی مطلب..کہاں گئے تھے جان... سے لیکر کہاں مر گئے تھے۔!!

شادی: کا مطلب!! آپ نصیب سے ملے ہو، سے لیکر...میرا نصیب ہی پھوٹا تھا تک کا سفر۔!!

شادی: شدہ زندگی کشمیر جیسی ہے۔خوبصورت تو ہے...لیکن دہشتگردی بہت ہے۔

سب شادی شدہ دوستوں کو شادی کا عالمی دن مبارک ہو۔

لطائف

ایک لڑکا ہوا میں 2 روپے کا سکہ اُچھال کر اپنے دانتوں سے پکڑنے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔آخری مرتبہ اس نے جب یہ حرکت کی تو غلطی سے سکہ اسکے حلق میں چلا جاتا ہے۔اسکا دم گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اس کے والد مدد کے لئے پکارتے ہیں۔اتنے میں انکی آواز سن کر ایک بھورے رنگ کے سوٹ میں ایک درمیانی عمر کا آدمی لڑکے کے پاس آیا،لڑکے کا حلق پکڑ کر اسکی کمر کو پہلے آرام سے اور پھر زور زور سے تھپ تھپایا۔لڑکے نے کھانس کر الٹی کر دی۔سکہ باہر آ گیا۔لڑکے کے والد کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔اسنے بیٹے کو گلے لگاتے ہوئے اپنے محسن کو انتہائی احترام سے دیکھا اور پوچھا۔اے رحمت کے فرشتے کیا آپ ڈاکٹر ہو؟اس اجنبی نے جواب دیا نہیں بھائی، میں پاکستان کا وزیر خزانہ اسحاق ڈار ہوں اور یہ میری تربیت کا حصہ ہے کہ کس طرح عوام کے حلق سے پیسہ نکالنا ہے۔

جدید امی جان

ایک بیس بائیس سالہ نوجوان ناہید سپر مارکیٹ میں داخل ہوا، کچھ خریداری کر رہی رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی خاتون اسکا تعاقب کر رہی ہے،مگر اس نے اسے اپنا شک سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا اور خریداری میں مصروف ہو گیا،لیکن وہ عورت مستقل اسکا پیچھا کر رہی تھی، اب کی بار اس نوجوان سے رہا نہ گیا، وہ یک لخت خاتون کی طرف مڑا اور پوچھا، ماں جی خیریت ہے؟

عورت: بیٹا آپکی شکل میرے مرحوم بیٹے سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپکو اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے آپکے پیچھے چل پڑی اور ابھی آپ نے مجھے امی جان کہا میرے دل کے جذبات فرطِ محبت و خوشی سے لائق بیان نہیں۔عورت نے یہ کہا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

نوجوان: کوئی بات نہیں ماں جی آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔عورت: بیٹا کیا ایک دفعہ پھر آپ مجھے ماں جی کہو گے؟ نوجوان نے اونچی آواز سے کہا جی ماں جی لیکن خاتون نے گویا نہ سنا ہو،نوجوان نے پھر بلند آواز سے کہا جی ماں جی...عورت نے سنا اور نوجوان کے دونوں ہاتھ پکڑ کے چومے۔اپنی آنکھوں سے لگائے اور روتے ہوئے وہاں سے رُخصت ہو گئی۔نوجوان اس منظر کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ اپنی خریداری پوری کئے بغیر واپس چل دیا۔کاؤنٹر پر پہنچا تو کیشیئر نے دس ہزار کا بل تھما دیا' نوجوان نے پوچھا دس ہزار کیسے؟

کیشیئر: آٹھ سو کا بل آپکا ہے اور نو ہزار دو سو آپکی والدہ کا، جنہیں آپ ابھی امی جان امی جان کہہ رہے تھے' وہ دن اور آج کا دن ہے نوجوان اپنی حقیقی امی کو بھی خالہ جان کہتا ہے۔

افکارِ اقبال - رجل خوشاب

اقبال کا فلسفہ،فکر اور آوازِ حق کی بازگشت کا نام ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ شاعرِ مشرق نے شاعری کو اپنے افکار کی تکمیل کا ذریعہ بنا کر امت کو پیغامِ حق سے روشناس کروانے کا انداز اختیار کیا تو غلط نہ ہوگا۔اقبال کا ارتقاء انہیں شاعری اور فن کے زینے طے کرواتا جاتا ہے۔شاعری میں نا صرف ندرت ہے بلکہ وہ موضوعات جن کو بیان کرتے ہوئے شعراء کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے ان کا بیان ایسا ہے کہ پڑھنے والا اور سمجھنے والا حیرت و مسرت کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتا ہے نئے نظریات کی عمارت اس طرح تشکیل دیتے ہیں کہ کہیں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا۔اسلامی فکر کا لباس جو جگہ جگہ سے ہیوندِ خاک ہو چکا تھا اس کو اپنے افکار سے اس طرح رفو کرتے ہیں کہ مردِ کامل کا عکس حقیقی صحیح معنوں میں روشن تر ہو جاتا ہے۔خودی کی خلعتِ فاخرہ کو کو مردِ مومن کا وہ لباس قرار دیتے ہیں جو آقا دو جہاں کی عشق کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔اسی لباس میں فقر کی آستین ہیں جہاں حضوری کے بٹن دیدہ زیبی سے پیوست ہیں اور اس لباس پر سایہِ خداوندی کا پرچم لہراتا ہے جو حقیقی اسلام روشن مینار بن کر رہنمائی کرتا ہے۔یہی یقینِ محکم ہے جو مسلمان کو مومن کے درجے پر پہنچا دیتا ہے اور عرشِ بریں بھی مومن دستِ قدرت کا شاہکار بن۔جاتا ہے۔

(تحریر و تجزیہ: آفتاب شاہ)

ایفائے عہد

عبدالحمید حمیدی کنیڈا

دونوجوان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محفل میں داخل ہوتے ہی محفل میں بیٹھے ایک شخص کے سامنے جا کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔اور اس کی طرف انگلی کر کے کہتے ہیں۔یا عمرؓ یہ ہے وہ شخص! سیدنا عمرؓ ان سے پوچھتے ہیں۔کیا کیا ہے اس شخص نے؟ یا امیر المؤمنین، اس شخص نے ہمارے باپ کو قتل کیا ہے۔کیا کہہ رہے ہو، اس نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے؟ سیدنا عمرؓ ان سے پوچھتے ہیں۔سیدنا عمرؓ پھر اس شخص سے مخاطب ہوکر پوچھتے ہیں۔کیا تو نے ان کے باپ کو قتل کیا ہے؟۔وہ شخص کہتا ہے: ہاں امیر المؤمنین، مجھ سے قتل ہوگیا ہے ان کا باپ۔کس طرح قتل کیا ہے؟ سیدنا عمرؓ پوچھتے ہیں۔یا عمرؓ، ان کا باپ اپنے اونٹ سمیت میرے کھیت میں داخل ہوگیا تھا، میں نے منع کیا، باز نہیں آیا تو میں نے ایک پتھر دے مارا۔جو سیدھا اس کے سر میں لگا اور وہ موقع پر مر گیا۔پھر تو قصاص دینا پڑے گا، موت ہے اس کی سزا۔سیدنا عمرؓ کہتے ہیں۔نہ فیصلہ لکھنے کی ضرورت، اور فیصلہ بھی ایسا اٹل کہ جس پر کسی بحث ومباحثے کی بھی گنجائش نہیں۔نہ ہی اس شخص سے اس کے کنبے کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا ہے، نہ ہی یہ پوچھا گیا ہے کہ تعلق کس قدر شریف خاندان سے ہے؟ نہ ہی یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ تعلق کسی معزز قبیلے سے تو نہیں؟ معاشرے میں کیا رتبہ یا مقام ہے؟ ان سب باتوں سے بھلا سیدنا عمرؓ کو مطلب ہی کیا ہے؟؟؟ کیوں کہ معاملہ اللہ کے دین کا ہو تو عمرؓ پر کوئی بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی اللہ کی شریعت کی تنفیذ کے معاملے پر عمرؓ کو روک سکتا ہے۔حتی کہ سامنے عمرؓ کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ قاتل کی حیثیت سے آ کھڑا ہو، قصاص تو اس سے بھی لیا جائے گا۔وہ شخص کہتا ہے۔اے امیر المؤمنین: اس کے نام پر جس کے حکم سے یہ زمین وآسمان قائم کھڑے ہیں۔مجھے صحراء میں واپس اپنی بیوی بچوں کے پاس جانے دیجیئے تا کہ میں ان کو بتا آؤں کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ان کا اللہ اور میرے سوا کوئی آسرا نہیں ہے، میں اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔سیدنا عمرؓ کہتے ہیں: کون تیری ضمانت دے گا کہ تو صحراء میں جا کر واپس بھی آ جائے گا؟ مجمع پر ایک خاموشی چھا جاتی ہے۔کوئی بھی تو ایسا نہیں ہے جو اس کا نام تک بھی جانتا ہو۔اس کے قبیلے، خیمے یا گھر وغیرہ کے بارے میں جاننے کا معاملہ تو بعد کی بات ہے۔کون ضمانت دے اس کی؟ کیا یہ دس درہم کے اُدھار یا زمین کے ٹکڑے یا کسی اونٹ کے سودے کی ضمانت کا معاملہ ہے؟ ادھر تو ایک گردن کی ضمانت دینے کی بات ہے، جسے تلوار سے اُڑا دیا جانا ہے۔اور کوئی ایسا بھی تو نہیں ہے جو اللہ کی شریعت کی تنفیذ کے معاملے پر عمرؓ سے اعتراض کرے، یا پھر اس شخص کی سفارش کی لئے ہی کھڑا ہو جائے۔اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا جو سفارشی بننے کی سوچ سکے۔محفل میں موجود صحابہؓ پر ایک خاموشی سی چھا گئی ہے، اس صورتحال سے خود حضرت عمرؓ بھی متاثر ہیں۔کیوں کہ اس شخص کی حالت نے سب کو ہی حیرت میں ڈال کر رکھ دیا ہے۔کیا اس شخص کو واقعی قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے اور اس کے بچے بھوکوں مرنے کے لئے چھوڑ دیئے جائیں؟ یا پھر اس کو بغیر ضمانتی کے واپس جانے دیا جائے؟ واپس نہ آیا تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا! خود سیدنا عمرؓ سر جھکائے افسردہ بیٹھے ہیں۔اس صورتحال پر، سر اُٹھا کر التجا بھری نظروں سے نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہیں معاف کر دو اس شخص کو نہیں امیر المؤمنین، جو ہمارے باپ کو قتل کرے، اس کو چھوڑ دیں۔یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔نوجوان اپنا آخری فیصلہ بغیر کسی جھجھک کے سنا دیتے ہیں۔حضرت عمرؓ ایک بار پھر مجمع کی طرف دیکھ کر بلند آواز سے پوچھتے ہیں۔اے لوگو، ہے کوئی تم میں سے جو اس شخص کی ضمانت دے؟ حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے زہد وصدق سے بھرپور بڑھاپے کے ساتھ کھڑے ہوکر کہتے ہیں۔میں ضمانت دیتا ہوں اس شخص کی! سیدنا عمرؓ کہتے ہیں ابوذر، اس نے قتل کیا ہے۔چاہے قتل ہی کیوں نہ کیا ہو، ابوذرؓ اپنا اٹل فیصلہ سناتے ہیں۔

عمرؓ: جانتے ہو اسے؟ ابوذرؓ: نہیں جانتا اسے عمرؓ: تو پھر کس طرح ضمانت دے رہے ہو؟

ابوذرؓ: میں نے اس کے چہرے پر مومنوں کی صفات دیکھی ہیں، اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا، انشاء اللہ یہ لوٹ کر واپس آ جائے گا۔

عمرؓ: ابوذرؓ دیکھ لو اگر یہ تین دن میں لوٹ کر نہ آیا تو مجھے تمہاری جدائی کا صدمہ دیکھنا پڑے گا۔امیر المؤمنین، پھر اللہ مالک ہے۔ابوذر اپنے فیصلے پر ڈٹے ہوئے جواب دیتے ہیں۔سیدنا عمرؓ سے تین دن کی مہلت پا کر وہ شخص رُخصت ہو جاتا ہے، کچھ ضروری تیاریوں کے لئے، بیوی بچوں کو

الوداع کہنے، اپنے بعد اُن کے لئے کوئی راہ دیکھنے، اور اس کے قصاص کی ادئیگی کیلئے قتل کئے جانے کی غرض سے لوٹ کر واپس آنے کیلئے اور پھر تین راتوں کے بعد، عمرؓ بھلا کیسے اس امر کو بھلا پاتے۔ انہوں نے تو ایک ایک لمحہ گن کر کاٹا تھا، عصر کے وقت شہر میں (الصلوۃ جامعہ) کی منادی پھر جاتی ہے، نوجوان اپنے باپ کا قصاص لینے کیلئے بے چین اور لوگوں کا مجمع اللہ کی شریعت کی تنفیذ دیکھنے کے لئے جمع ہو چکا ہے۔ حضرت ابوذرؓ بھی تشریف لاتے ہیں اور آ کر حضرت عمرؓ کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کدھر ہے وہ آدمی؟ سیدنا عمرؓ سوال کرتے ہیں۔ مجھے کوئی پتہ نہیں ہے یا امیر المؤمنین، ابوذرؓ مختصر جواب دیتے ہیں۔ ابوذرؓ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، جدھر سورج ڈوبنے کی جلدی میں آج معمول سے زیادہ تیزی کے ساتھ جاتا دکھائی دے رہا ہے۔ محفل میں ہوکا عالم ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ آج کیا ہونے جا رہا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ابوذرؓ سیدنا عمرؓ کے دل میں بستے ہیں، عمرؓ سے ان کے جسم کا ٹکڑا مانگیں تو عمرؓ دیر نہ کریں، کاٹ کر ابوذرؓ کے حوالے کر دیں۔ لیکن ادھر معاملہ شریعت کا ہے، اللہ کے احکامات کی بجا آوری کا ہے، کوئی کھیل تماشہ نہیں ہونے جا رہا، نہ ہی کسی کی حیثیت یا صلاحیت کی پیمائش ہو رہی ہے۔ حالات و واقعات کے مطابق نہیں اور نہ ہی زمان و مکان کو بیچ میں لایا جانا ہے۔ قاتل نہیں آتا تو ضامن کی گردن جاتی نظر آ رہی ہے۔ مغرب سے چند لحظات پہلے وہ شخص آجاتا ہے۔ بیساختہ حضرت عمرؓ کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا نکلتی ہے، ساتھ ہی مجمع بھی اللہ اکبر کا ایک بھرپور نعرہ لگاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اس شخص سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ اے شخص، اگر تو لوٹ کر نہ بھی آتا تو ہم نے تیرا کیا کر لینا تھا، نہ ہی تو کوئی تیرا گھر جانتا تھا اور نہ ہی کوئی تیرا پتہ جانتا تھا امیر المؤمنین، اللہ کی قسم، بات آپ کی نہیں ہے، بات اس ذات کی ہے جو سب ظاہر و پوشیدہ کے بارے میں جانتا ہے، دیکھ لیجئے میں آ گیا ہوں، اپنے بچوں کو پرندوں کے چوزوں کی طرح صحراء میں تنہا چھوڑ کر، جدھر نہ درخت کا سایہ ہے اور نہ ہی پانی کا نام و نشان۔ میں قتل کر دیئے جانے کیلئے حاضر ہوں۔ مجھے بس یہ ڈر تھا کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں میں سے وعدوں کا ایفاء ہی اُٹھ گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے ابوذرؓ کی طرف رُخ کر کے پوچھا۔ ابوذرؓ، تو نے کس بنا پر اس کی ضمانت دے دی تھی؟ ابوذرؓ نے کہا، اے عمرؓ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں سے خیر ہی اُٹھا لی گئی ہے۔ سیدنا عمرؓ نے ایک لمحے کیلئے توقف کیا اور پھر ان دونوں نوجوانوں سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو اب؟ نوجوانوں نے روتے ہوئے جواب دیا، اے امیر المؤمنین، ہم اس شخص کی صداقت کی وجہ سے اسے معاف کرتے ہیں، ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں میں سے عفو اور درگزر ہی اُٹھا لیا گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور آنسو ان کی ڈاڑھی کو تر کرتے نیچے گر رہے تھے۔ اے نوجوانو! تمہاری عفو و درگزر پر اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اے ابوذرؓ! اللہ تجھے اس شخص کی مصیبت میں مدد پر جزائے خیر دے۔ اور اے شخص، اللہ تجھے اس وفائے عہد و صداقت پر جزائے خیر دے۔ اور اے امیر المؤمنین، اللہ تجھے تیرے عدل و رحمدلی پر جزائے خیر دے۔ محدثین میں سے ایک یوں کہتے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اسلام اور ایمان کی سعادتیں تو عمرؓ کے کفن کے ساتھ ہی دفن ہو گئی تھیں اور اے اللہ، جزائے خیر دے اپنے بے کس بندے کو، جس نے ترجمہ کر کے اس پیغام کو اپنے احباب تک پہنچایا۔ آمین یارب العالمین۔

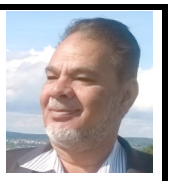

دنیا کا گندہ ترین پاکستان کا عدالتی نظام ہے

عاصی صحرائی

ساری عمر جھوٹ بولنے والا وکیل بعد میں جج بن جاتا ہے۔ پاکستان کا عدالتی نظام پاکستان کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پاکستان کی عدالتیں چوروں، ڈاکوؤں اور کرپٹ مافیا کی محفوظ پناہ گائیں بن چکی ہیں۔ امیروں کو چھٹی والے دن بھی ضمانت اور غریب کی پچیس سال میں بھی سنی نہیں جاتی۔ جو عدالتی نظام دو ٹکے کی کنجری ایان علی کو سزا نہ دے سکا اور ثابت شدہ نواز غدار کو با عزت بری کر دیا۔ بچوں کی گندی فلمیں یورپ کو بیچنے والا رہا، ریمنڈ ڈیوس رہا، کرنل جوزف رہا، ایان علی رہا، راؤ انوار رہا، مصطفیٰ کانجو رہا، سانحہ بلدیہ ٹاؤن کا ملزم بھولا رہا، سانحہ ساہیوال کے مجرم رہا، ماڈل ٹاؤن میں عورتوں کو گولیاں مارنے والے آزاد، معصوم بچوں کو زیادتی کے بعد قتل کرنے والے آزاد، نیب کے پکڑے ہوئے سارے ملزم باری باری رہا۔ کیا یہ ملک صرف طاقتوروں کا ہے؟ عدالتی نظام دیکھ کر لگتا ہے کہ کہیں آسمان سے آگ یا پتھر نا برسنے لگ جائیں سب نے حلف لیا ہے لیکن تقریباً سارے کرپٹ ہیں۔ جس نے بھی یہ لکھا تھا بالکل ٹھیک لکھا تھا کہ پاکستانی عدالتیں امیروں کی تیا ہی لاکھ لعنت ایسے عدالتی نظام پر۔ ***

جہالت اور احسان فراموشی ۔ رجل خوشاب

مسلم سائنس دان:

مسلم سائنس دانوں کا جو حشر مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا وہ عوام کو نہیں بتایا جاتا۔ آج بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمارے مسلم سائنس دان تھے۔ ان میں سے چار سائنسدانوں کا مختصر احوال پیش خدمت ہے۔

یعقوب الکندی:

فلسفے، طبیعات، ریاضی، طب، موسیقی، کیمیا اور فلکیات کا ماہر تھا۔ الکندی کی فکر کے مخالف خلیفہ کو اقتدار ملا تو مُلّا کو خوش کرنے کی خاطر الکندی کا کتب خانہ ضبط کر کے اس کو ساٹھ برس کی عمر میں سرعام کوڑے مارے گئے۔ ہر کوڑے پر الکندی تکلیف سے چیخ مارتا تھا اور تماش بین عوام قہقہہ لگاتے تھے۔

ابن رشد:

یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کرنے والے اندلس کے مشہور عالم ابن رشد کو بے دین قرار دے کر اس کی کتابیں نذر آتش کر دی گئیں۔ ایک روایت کے مطابق اسے جامع مسجد کے ستون سے باندھا گیا اور نمازیوں نے اس کے منہ پر تھوکا۔ اس عظیم عالم نے زندگی کے آخری دن ذلت اور گمنامی کی حالت میں بسر کئے

ابن سینا:

جدید طب کے بانی ابن سینا کو بھی گمراہی کا مرتکب اور مرتد قرار دیا گیا۔ مختلف حکمران اس کے تعاقب میں رہے اور وہ جان بچا کر چھپتا پھرتا رہا۔ اس نے اپنی وہ کتاب جو چھ سو سال تک مشرق اور مغرب کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی گئی۔ یعنی القانون فی الطب، حالت روپوشی میں لکھی۔

زکریا الرازی:

عظیم فلسفی، کیمیا دان، فلکیات دان اور طبیب زکریا الرازی کو جھوٹا، ملحد اور کافر قرار دیا گیا۔ حاکم وقت نے حکم سنایا کہ رازی کی کتاب اس وقت تک اس کے سر پر ماری جائے جب تک یا تو کتاب نہیں پھٹ جاتی یا رازی کا سر۔ اس طرح بار بار کتابیں سر پہ مارے جانے کی وجہ سے رازی اندھا ہو گیا اور اس کے بعد موت تک کبھی نہ دیکھ سکا۔

ہماری قوم کا معیار ۔ عاصی صحرائی

پاکستانی برانڈز سال انیس سو چورانوے لاہور شیخوپورہ روڈ ایک صاحب نے ریگ مار بنانے کی فیکٹری لگائی۔ فیکٹری مکمل ہونے پر پیداوار شروع ہوئی۔ مال لیکر وہ فروخت کے لیے برانڈرتھ روڈ لاہور آیا۔ ریگ مار کے ڈیلرز کے پاس گیا۔ سب نے مذاق اڑایا یہ نہیں چلے گا۔ یہ نہیں بکے گا۔ کوئی لے گا ہی نہیں۔ وہ کئی دن تک مختلف لوگوں سے ملتا رہا۔ ایک آدھ کے سوا سب نے نہ صرف مال لینے سے انکار کر دیا بلکہ الٹا اس کو سخت مایوس بھی کیا۔ وہ شخص بھاری سرمایہ کاری کر چکا تھا۔ اس نے مختلف زاویوں اور ہم وطنوں کے رویوں پر غور کرنا شروع کیا اور پھر ایک روز اس نے مارکیٹ آ کر سب کو بتا دیا کہ اس سے غلطی ہوئی جو یہ فیکٹری لگا لی۔ اب میں یہ فیکٹری بند کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے نیا مال بنوایا، اس پر چین کے مشہور برانڈ کی مہریں لگائیں، کہیں سے چینی اخبارات کی ردی حاصل کی۔ وہ ریگ مار اس چینی اخبارات کی ردی میں باندھ کر کچھ پٹھان بھائیوں کو دیکر انہیں ڈیلرز کے پاس روانہ کر دیا۔ پٹھان بھائیوں نے ان سے کہا کہ ہم چین سے مال لا کر بیچتا ہے۔ ہمارے پاس یہ ریگ مار ہے۔ انہوں ڈیلرز نے وہی ریگ مار بخوشی قبول کیا بلکہ اپنی ضرورت سے بھی زیادہ خرید کر جمع کر لیا۔ یہ سلسلہ ایک ڈیڑھ سال تک چلتا رہا۔ پھر ایک روز وہ کارخانہ دار انہیں دکانداروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ یہ میرا ہی مال ہے جو آپ خرید رہے ہیں۔ تب سے انہوں نے براہ راست مال خریدنا شروع کیا۔ ایک دوست ہیں وہ پچھلے بیس سال سے بلوور بنا رہے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ جب شروع شروع میں بنایا تو بہت شوق تھا۔ میڈ ان پاکستان لکھ کر بیچنے کی بہت کوشش کی۔ بہت کم بکتا تھا۔ فیکٹری چلانا ممکن نہیں تھا۔ پھر میڈ ان چائنہ کی مہریں لگائیں، چین جیسی پیکنگ بنوائی۔ تب سے آج تک فیکٹری چل رہی ہے۔ آپ چاہیں تو ایسی درجنوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو گاڑیوں، ٹرکوں، ٹریکٹروں وغیرہ کے آپ چائنہ، تائیوان یا کوریا کے پرزہ جات خریدتے ہیں اس میں سے کم از کم پچاس فیصد داروغہ والا انڈسٹریل ایریا میں بنے ہوتے ہیں۔ جو صارفین کی میڈ ان پاکستان پر عدم اعتماد کی وجہ سے دکانداروں کے دباؤ پر غیر ملکی مہریں لگا پر انہیں کی پیکنگ میں فروخت کیلئے پیش کیے جاتے ہیں۔ پروفیشنٹ کار، پک اپ بنی نہیں بک سکی۔ ایڈم موٹرز نے ریووکار بنائی۔ کمپنی، بکری نہ ہونے کی وجہ سے دیوالیہ ہوگئی۔ اب یونائیٹڈ

موٹرز نے براوو بنائی ہے، قیمت آدھی سے بھی کم ہے۔ کتنے لوگوں نے پذیرائی بخشی۔ جب آپ کہتے ہیں کہ شان مصالحہ جات، اور لذیذہ کھیر مکس، روح افزا اور جام شیریں وغیرہ نے خود کو کوالٹی کی بنا پر منوالیا تو باقی لوگ کیوں نہیں منوا سکتے تو گذارش یہ ہے کہ مصالحہ جات اور روح افزا کے مقابل بدیسی مصنوعات کون سی ہیں۔ نہ چینی یا امریکی روح افزا، مسالہ جات استعمال کرتے نہ بناتے ہیں۔ جو وہ بناتے ہیں ان کی بات کریں۔ ذوالفقار انڈسٹری، کیپری سوپ دہائیوں سے بنارہی ہے۔ تبت سوپ بن رہا، صوفی والوں کا باتھ سوپ ہے۔ معیار کسی بھی طور لکس یا پامولیو صابن سے کم نہیں، کتنے فیصد لوگ محض اس وجہ سے استعمال کرتے ہیں کہ میرے وطن کی مصنوعہ ہے۔ کپڑے دھونے کا ڈٹرجنٹ گائے سوپ نے بنایا ہے، صوفی نے بنایا ہے اور کئی مقامی کمپنیاں ہیں، ہر جگہ سرف، ایریل اور ایکسپریس ہی دکھائی دیتے ہیں. کیوں؟ امرت کولا، پاک کولا، مکہ کولا اور نہیں معلوم کتنی اس طرح کی فیکٹریاں بڑے چاو سے لگیں، قیمت بھی کم تھی، معیار میں بھی کوئی قابل ذکر فرق نہیں تھا۔ کیوں نہیں خریدتے تھے۔ کیوں بند ہوگئیں۔ آج بھی گورمے کولا اور کولا نیکسٹ مہمانوں کو پیش کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں حالانکہ مہمان بھی پاکستانی ہی ہوتے ہیں۔ خشک دودھ ہلہ نے بنایا، گورمے نے بنایا، اولپرز نے بنایا۔ سب جگہ ابھی بھی ایوری ڈے ہی چلتا ہے۔ کیوں؟ شاید دس فیصد لوگوں کو علم ہوگا کہ دو ہزار پندرہ سے ہائیر پاکستان میں فون بنارہا ہے. کبھی تقابل کرنے کیلئے بھی دیکھا ہو تو کہیے. گزارش یہ ہے کبھی تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ میں، میری ذات، میرا منافع، میری آسودگی، اجتماعی یا ملکی مفاد سے متصادم ہیں۔ کبھی تو میرا کوئی رویہ میرے ملک کے فائدے کے لیے بھی ہو. دنیا بھر میں جتنے ملک یا قومیں بحرانوں سے نکلی ہیں یا اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی ہیں ان کے رویے دیکھیں اور پھر کوئی ایک اجتماعی عادت اپنے اور ان میں مشترک تلاش کر کے دکھائیں. اپنی زبوں حالی کی وجہ سمجھ جائیں گے۔

حیرت انگیز معلومات

1۔ دنیا میں سب سے زیادہ غریب انڈیا میں پائے جاتے ہیں۔

2۔ دنیا میں سب سے زیادہ ان پڑھ انڈیا میں پائے جاتی ہیں۔

3۔ دنیا میں سب سے زیادہ بے روزگار انڈیا میں پائے جاتی ہیں۔

4۔ انڈیا میں کم از کم 2 کروڑ لوگ چوہے کھاتے ہیں۔

5۔ دنیا میں سب سے زیادہ جسم فروشی انڈیا میں ہوتی ہے۔

6۔ انڈیا کی 70 فیصد آبادی کے پاس بیت الخلا کی سہولت موجود نہیں۔

7۔ دنیا میں سب سے زیادہ جسمانی اعضاء انڈین بیچتے ہیں۔ انڈیا دنیا کا واحد ملک ہے کہ گاؤں کے باہر اشتہار لگا ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں ہر بندے کا گردہ برائے فروخت ہے۔

8۔ دنیا میں سب سے زیادہ فٹ پاتھ پر سونے والے بھی انڈیا میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں فٹ پاتھوں پر پورے پورے خاندان بستے ہیں۔

9۔ غربت کے ہاتھوں دنیا میں سب سے زیادہ خودکشیاں انڈیا میں ہوتی ہیں۔

10۔ بھارت پر 500 ارب ڈالر سے زائد بیرونی قرضہ ہے۔

11۔ انڈیا کے پاس 377 ارب ڈالر کے ذرمبادلہ ک ذخائر ہیں جو اس کے اپنے نہیں بلکہ 8 فیصد کی شرح سود پر جمع بینکوں سے لی گئی رقوم ہیں۔ بھارتی معیشت ہوا میں کھڑی ہے۔

12۔ بھارت کے 29 میں سے 22 صوبے آزادی مانگ رہے ہیں۔ کم از کم 100 پراوئیٹ افواج بھارتی حکومت کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

13۔ انڈیا کے کم از کم 40 فیصد حصے پر انڈیا حکومت کی رٹ تقریباً ختم ہوچکی ہے۔

14۔ بھارت کے مختلف صوبوں میں پاکستانی جھنڈے لہرانا معمول ہے۔

15۔ دنیا میں پڑوسیوں کے ساتھ سب سے زیادہ سیز فائر کرنے والا ملک بھارت ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر برا پڑوسی ہے۔

16۔ کارگل جنگ کی وجہ سے انڈیا کے این اے 32 طیارے گراؤنڈ ہوچکے ہیں جن کی اپ گریڈیشن کے لیے یوکرین سے معاہدہ کیا گیا ہے۔

17۔ کارگل جنگ میں انکی 200 انتہائی مہنگی سٹیٹ آف دی آرٹ بوفرز توپیں تباہ ہوچکی ہیں اور دو آرمڈ ڈیوژن ناکارہ۔

18۔ دنیا میں سب سے زیادہ ایڈز بھارت میں پھیل رہا ہے۔ بھارت دنیا کا واحد ملک ہے جہاں ایڈز کے مریضوں کی باقاعدہ ٹرین چلتی ہے۔

19۔ بھارت کے 80 فیصد پل 100 سال سے زیادہ پرانے ہیں۔

20۔ بھارت میں بچیوں کو ماؤں کے پیٹ میں قتل کرنے کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ ہمارے کچھ لوگ روتے رہتے ہیں کہ کہ انڈیا ہم سے آگے نکل گیا، ہم انڈیا سے کیوں الگ ہوئے۔

اسلام سب سے بڑی نعمت ہے... ہمیشہ مثبت سوچو۔

نواب آف کالا باغ۔ طلعت رضوی

نواب آف کالا باغ بیمار پڑ گئے، ان کے ذاتی معالج نے پراسٹیٹ کینسر کا خدشہ ظاہر کیا اور تجویز کیا کہ ان کا علاج صرف لندن میں ممکن ہے، نواب آف کالا باغ کے راضی ہوجانے کے بعد انہوں نے لندن میں مشہور ماہر سرطان ڈاکٹر جوان کے استاد بھی تھے ان سے اپوائنٹمنٹ لی اور نواب صاحب کو لے کر لندن چلے گئے۔ مقررہ دن ڈاکٹر صاحب، نواب صاحب کو اپنے ٹریٹمنٹ روم میں لے گئے۔ نواب صاحب باہر نکلے تو کافی پرسکون اور مطمئن تھے۔ پروفیسر صاحب نے اطمینان دکھایا کہ پراسٹیٹ کینسر نہیں ہے، دوسرا دوا میں نے تجویز کر دی ہے۔ ہدایت کے مطابق استعمال کریں، مزید کسی مشورے کی ضرورت پڑی تو فون پہ بھی بات ہوجائے گی۔ خصتی سے پہلے پروفیسر صاحب، نواب آف کالا باغ کے ذاتی معالج کو ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف الگ لے گئے اور گلہ کیا کہ مجھے تو تم پر بہت فخر تھا، تم میرے شاگردوں میں ذہین ترین تھے،، جب تم کو صرف ایک انگلی مریض کی Rectum میں ڈال کر پتہ چل سکتا تھا کہ اس کو پراسٹیٹ کینسر ہے یا نہیں، تو تم اس کو اتنے پیسے خرچ کر کے اتنی دور لندن میرے پاس کیوں لائے ہو؟ سر، جس جگہ آپ نے اپنی انگلی دی ہے اگر میں پاکستان میں اس جگہ انگلی دیتا تو اس نواب نے میرا پورا خاندان مروا دینا تھا، اس لئے مجبوراً میں ان کو انگلی دلوانے آپ کے پاس لایا ہوں، تا کہ خود کو اور اپنے گھر والوں کو ان کے قہر سے بچا سکوں، ذہین خاندانی معالج نے انکساری سے جواب دیا۔

مورال:۔ تشخیص اور علاج، دونوں پاکستان میں بھی دستیاب ہیں، مگر جو سکون، اطمینان اور شفا گورے کی انگلی میں ہے وہ پاکستانی ڈاکٹر کی انگلی میں بھلا کہاں؟ یقیناً اب آپ کو ڈاکٹر عدنان کی پریشانی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

امتناع کا مہینہ

اس مہینے میں غارتگری منع تھی، پیڑ کٹتے نہ تھے تیر بکتے نہ تھے۔ بے خطر تھی زمیں مستقر کے لیے اس مہینے میں غارتگری منع تھی، یہ پرانے صحیفوں میں مذکور ہے۔ قاتلوں، رہزنوں میں یہ دستور تھا، اس مہینوں کی حرمت کے اعزاز میں دوش پر گردن خم سلامت رہے کربلاؤں میں اترے ہوئے، کاروانوں کی مشکوں کا پانی امانت رہے، میری تقویم میں بھی مہینہ ہے یہ، اس مہینے کئی تشنہ لب ساعتیں، بے گناہی کے کتبے اُٹھائے ہوئے، روز و شب بین کرتی ہیں دہلیز پر اور زنجیر در مجھ سے کھلتی نہیں فرش ہموار پر پاؤں چلتا نہیں دل دھڑکتا نہیں۔

اس مہینے میں گھر سے نکلتا نہیں!!!

میری دوسری شادی ہوجائے گی، سوچا بھی نہ تھا۔ دوستوں کو اطلاع بھی نہ کر سکا۔ بس آناً فاناً نکاح ہوا اور رخصتی بھی ہوگئی۔ حیرت یہ ہے کہ بیگم نے خوشدلی سے اپنی سوتن کو بہن بنالیا۔ بچے تو ماں کہہ کر لپٹ گئے۔ والدہ بھی شاد ہیں۔ میری نئی بیوی بے انتہا خوش اخلاق ثابت ہوئیں اور انہوں نے بھی سارے گھر کے افراد کو اپنا سمجھا۔ ہماری پہلی ملاقات پہلی بیگم کے ساتھ ہی ایک شاپنگ سینٹر کے کیفے ٹیریا میں ہوئی تھی۔ وہیں ہماری پہلی بیگم نے ان کو ہمارے لیے پسند کیا۔ کب بات شادی تک پہنچ گئی پتہ بھی نہ لگا۔ پہلی بیگم نے انتہائی ضد کر کے ہمیں ہنی مون پر بھیجنے کی تیاری کر رکھی ہے اور مصر ہیں کہ آپ دونوں ہنی مون پر جائیں جیسے آپ مجھے لے کر گئے تھے۔ کہتی ہیں کہ اگر پیسے کم پڑے تو وہ دینے کو تیار ہیں کیونکہ ان کی پچھلے دنوں ہی تین لاکھ کی کمیٹی نکلی ہے۔ میں کافی دیر سے یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر وہ کون سے گھر ہوتے ہیں جہاں دوسری شادی کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں اور ایک جنگ کا سا ماحول ہوتا ہے۔ اپنے گھر کو دیکھتا ہوں تو جنت لگتا ہے۔ بیگم نے رات گیارہ بجے زبردستی ہم دونوں کو کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ ساتھ ہی بچوں کو شور شرابے سے سختی سے منع کر دیا۔ آج صبح ناشتہ حجلہ عروسی میں پیش کیا اور اپنی ساتھی (سوتن لکھنے میں مجھے کوفت ہو رہی ہے) کو اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا کر کھلائے۔ ساتھ ہی ساتھ چھیڑنے کے انداز میں کن انکھیوں سے ہم دونوں کو دیکھتی رہیں۔ ایسی بیویاں قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ کل رات ہم ہنی مون پر ترکی نکل جائیں گے۔ بیگم نے یقین دہانی کروائی ہے کہ میری غیر موجودگی میں وہ بچوں کی فیس، بجلی کا بل، گھر کا راشن اور باقی ذمہ داریاں سنبھال لیں گی۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ سب بھی اپنے گھر میں یہ ماحول بنائیں۔ محبت سے رشتوں کو قائم رکھیں اور اپنی بیوی کو اعتماد میں لیں۔ دیکھیے کہ دوسری بیوی ایک دن بعد ہی کہہ رہی ہے کہ تیسری میں آپ کے لیے خود تلاش کروں گی۔ ناول ''بلی کے خواب میں چھچھڑے'' سے اقتباس۔

مختصر تعارف اثرؔ اکبرآبادی

ترے چراغ کی اس روشنی سے آج اثرؔ
نہ جانے کتنے چراغوں کو روشنی ہے ملی

میرا نام انصار احمد قریشی ہے۔ میرا تعلق اکبرآباد (آگرہ) سے ہے اور میرے دادا (مرحوم) حکیم محمد اسمٰعیل اور میرے والد (مرحوم) افتخار احمد تھے۔ میں نے آگرہ میں پرورش پائی اور وہیں سے بارھویں کلاس پاس کرنے کے بعد علی گڑھ چلا آیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1947ء میں میں نے سِول انجینئرنگ کی ڈگری امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔ جہاں تک میری شعروشاعری کا تعلق ہے تو مجھے بچپن سے ہی شعروادب سے لگاؤ تھا۔ آگرہ میں ہر مشاعرہ سننے کے لئے جایا کرتا تھا اور آگرہ تو ویسے بھی شعروادب کا گہوارہ رہا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں خاص کر بڑے بڑے مشاعرے ہوا کرتے ہیں۔ وہیں سے یہ شوق زیادہ پروان چڑھا اور 1969ء میں میں نے اپنی پہلی غزل پڑھی تھی اس کے بعد ہمت بڑھتی گئی اور شوق بھی۔ سِول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مجھے انجینئرنگ پروجیکشن انڈیا میں انجینئر کی پوسٹ ملی اور اس کے ہمراہ 1976ء میں کویت چلا گیا جہاں ہندوستان کو پہلی بار ایک بہت بڑا اسٹی تعمیر کرنے کے لئے پروجیکٹ ملا تھا جس کے مینجنگ ڈائرکٹر جناب محمد فضل تھے۔ میں تقریباً پندرہ سال کویت میں مقیم رہا اور وہاں کی اردو ادب کی محفلوں اور مشاعروں میں پڑھتا رہا ہوں۔ وہاں پر میرے استاد (مرحوم) عبدالحمید ہوشؔ جو کہ (مرحوم) جناب جگر مرادآبادی کے شاگرد رشید تھے۔ میں کویت سے باہر بحرین، سعودی عرب اور عراق میں بھی اپنی غزلیں پڑھتا رہا ہوں۔ میری غزلیں کویت ٹائمز، عرب نیوز وغیرہ میں جناب اشرف شادؔ صاحب کے تعاون سے شائع ہوتی تھیں۔ کویت کی جنگ کے فوراً بعد سیگما پینٹ کمپنی نے جس میں میں ملازم تھا مجھے سعودی عرب بلا لیا اور وہاں 6 سال مقیم رہنے کے بعد مجھے کینیڈا کا ویزا مل گیا۔ تب سے ہی میں یہاں پر مقیم ہوں اور یہاں کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں پڑھ رہا ہوں۔

فقط

اثرؔ اکبرآبادی

مسی ساگا۔ کینیڈا

نظریاتی افیم - اے آر خاں

پچھلے 100 سالوں میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی کچھ ذہنی تربیت ایسی ہوئی اور کچھ شعرا حضرات اور لکھاریوں نے انہیں ایسی افیم دی کہ وہ اسی میں مگن رہے... ان کے ذہن میں یہ ڈالا گیا.. کہ تم ایک عظیم قوم ہو مگر ایمان کمزور ہے.. تمہارا مقابل کوئی نہیں... تم 313 ہو اور کافر 1000... پھر بھی تم حاوی رہو گے...

اگر ضرورت پڑی تو ابابیلیں بھی تمہاری مدد کو آئیں گی... چاہے محنت کرو.. یا نہ کرو۔ تعلیم حاصل کرو یا نہ کرو سچے ایماندار مسلمان بنو یا نہ بنو.. تم ہی اللہ کی محبوب اُمت ہو... انگریز نے اگر تم پر یا دنیا پر حکمرانی کی ہے.. یا وہ آج تم پر غالب ہے...

تو اس کی وجہ اس کا علم، اسکی محنت یا سائنسی ترقی نہیں بلکہ اسکی چالاکی، اسکی عیاری اور مکاری ہے... اور میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں نے اسکی مدد کی ہے.. ورنہ ہم سے ہمارا اقتدار دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی تھی... چاہے ہم اپنی محبوباؤں کے لئے اور دس بیس تاج محل بناتے... اور چاہے طاؤس رباب شراب و شباب میں گم رہتے.... اور چاہے شاعروں اور گانے والیوں کے منہ موتیوں سے بھرتے رہتے..... انگریز تو نالائق تھا جو اس وقت آکسفرڈ اور کیمرج جیسی یونیورسٹیاں بنا رہا تھا.. سے کیا پتہ جو مزہ تاج محل میں بیٹھنے کا ہے وہ کسی درسگاہ میں بیٹھنے میں کہاں... یہ نظریاتی افیم کافی پراثر تھی... اور اس کے اثرات نسلوں تک پھیلتے رہے... یہاں تک کہ پاکستان بننے کے بعد بھی ہمارے ہر شعبہ زندگی میں یہ سوچ ہمارے ساتھ ساتھ چلتی رہی... بڑائی اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی ہے۔ مگر ہم برسوں اپنے آپ کی بڑائی میں مبتلا رہے.. ہمیں جب بھی دنیا میں کوئی آئیڈیل یا ہیرو ڈھونڈنے کے لئے کہا گیا تو ہم کہیں اور ڈھونڈنے نہیں گئے.. بلکہ آئینے کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے... یہ خود پرستی... اور یہ خودفریبی ہمارے ہر شعبے میں تھی... یہاں تک کہ ہمارے ہاں کا پہلوان اپنے آپ کو برسوں رُستم زماں اور رُستم جہاں کہلواتا رہا.... حالانکہ اسکا جہاں کراچی اور لاہور کے اکھاڑے تھے... جہاں وہ ایک ایک وقت میں 20/20 سیر دودھ پی جاتا تھا.. پورے پورے بکرے کھا جاتا تھا... ہم اس خودفریبی میں خوش تھے کہ ہم ہی ہیں دنیا میں... یہ تو سائنسی ترقی نے ہماری آنکھیں کھولیں... ٹی وی ایجاد ہوا... اور جب فری ریسلنگ ہمیں دکھائی گئی.. تو ہمارے سورما اپنے اپنے بلوں میں سہم گئے... اور آپس میں کہنے لگے کہ یار یہ انگریز تو بہت مارتا ہے... اسے بھی ہمارے

ہاں کے کچھ ظالموں نے کیمرہ ٹرک کہا...اور کہا کہ ایسی کوئی لڑائی وڑائی حقیقتاً ہوتی نہیں بلکہ یہ کیمرے کی صفائی ہے...اور پھر ایسا وقت آیا کہ جاپان کے ایک دبلے پتلے پہلوان انوکی نے کہ جو کہ نہ ہی 20/20 سیر دودھ پیتا تھا...اور نہ ہی پورا پورا بکرا کھاتا تھا...اسنے دنیا بھر کے سامنے ہمارے خود ساختہ شیروں کو ہمارے ہی گھر میں پچھاڑا...انکا بازو مڑوڑا..اور وہ بازو نہ چھڑا سکے...تب ہمیں پتہ لگا کہ دنیا میں ہمارے علاوہ بھی بہت کچھ ہے.... اسی طرح برسوں ہم اپنے فنکاروں..موسیقاروں...لکھنے والوں...اداکاروں...اور مصوروں کو بھی دنیا کا سب سے اچھا قرار دیتے رہے...کسی کو ہم نے ملکہ کہا..تو کسی کو شہنشاہ...کوئی ہمارے لئے نور جہاں تھا تو کوئی فخر جہاں یا فخر ایشیا...اصل میں ہمارا جہاں کراچی کے منگھو پیر اسٹوڈیو سے شروع ہوتا تھا تو لاہور کے ایور نیو اسٹوڈیو تک...ہم اسی میں خوش تھے...

ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ہم اس دنیا کے 200 سے زائد ملکوں میں سے صرف ایک چھوٹا سا ملک ہیں...اور دنیا کی 90 فیصدی آبادی تو ہمارے نام سے بھی نہیں واقف....اور جو جانتے ہیں وہ ہمیں دہشت گرد ملک کی حیثیت سے جانتے ہیں جتنا ہمارے ملک کا سائز ہے اس سے بڑے تو کئی ملکوں میں صوبے ہیں...مگر نہیں ہمیں خود فریبی کی اس افیم کا نشہ اچھا لگتا تھا...ہمیں ہوش میں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی...یہ خود فریبی 1971ء تک چلی...اور پھر 71 میں ہماری خود فریبی کی دیوار دھڑام سے آ گری...نہ امریکہ کا بحری بیڑہ مدد کو آیا..اور نہ ابابیل....اب ہمیں ہوش میں آجانا چاہیے تھا...مگر نہیں...نظریاتی افیم کا نشہ بہت گہرا ہے...

آپ کے اعضاء کب ڈرتے ہیں...

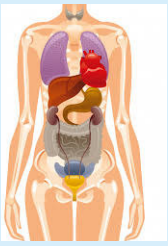

1۔معدہ(Stomach)
اس وقت ڈرا ہوتا ہے جب آپ صبح کا ناشتہ نہیں کرتے۔
2۔گردے(Kidneys)اس وقت خوفزدہ ہوتے ہیں جب آپ 24 گھنٹے میں 10 گلاس پانی نہیں پیتے۔
3۔پتہ(Gall bladder) اس وقت پریشان ہوتا ہے جب آپ رات 11 بجے تک سوتے نہیں اور سورج طلوع سے پہلے جاگتے نہیں ہیں۔
4۔چھوٹی آنت(small intestines)اس وقت تکلیف محسوس کرتی ہے جب آپ ٹھنڈے مشروبات پیتے ہیں اور باسی کھانا کھاتے ہیں۔
5۔بڑی میں آنت(Large intestine)اس وقت خوفزدہ ہوتی ہے جب زیادہ تلی ہوئی یا مصالحہ دار چیز کھاتے ہیں
6۔پھیپھڑے(Lungs) اس وقت بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں جب آپ دھواں دھول سگریٹ بیڑی سے آلودہ فضا میں سانس لیتے ہیں۔
7۔جگر(Liver)اس وقت خوفزدہ ہوتا ہے جب آپ بھاری تلی ہوئی خوراک اور فاسٹ فوڈ کھاتے ہیں۔
8۔دل(Heart)اس وقت بہت تکلیف محسوس کرتا ہے جب آپ زیادہ نمکین اور کولیسٹرول والی غذا کھاتے ہیں۔
9۔لبلبہ(Pancreas)لبلبہ اس وقت بہت ڈرتا ہے جب آپ کثرت سے مٹھائی کھاتے ہیں اور خاص کر جب وہ فری دستیاب ہو۔
10۔آنکھیں(Eyes)اس وقت تنگ آجاتی ہیں جب اندھیرے میں موبائل اور کمپیوٹر پر ان کی تیز روشنی میں کام کرتے ہیں۔
11۔دماغ(Brain)اس وقت بہت دکھی ہوتا ہے جب آپ منفی negative سوچتے ہیں۔اپنے جسم کے اعضاء کا خیال رکھئے اور ان کو خوفزدہ مت کیجئے۔ یاد رکھئے یہ اعضاء مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہیں۔

جاپان یا جنت۔ نعیم رانا اسلام آباد

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

نہ جگہ جگہ تبلیغی اجتماع، نہ عمرہ حج کرنے جانے والوں کا رش، نہ گلی گلی مساجد، نہ محلے محلے مدارس، نہ لاکھوں علما، نہ کوئی پیر نہ کوئی مزار، نہ کوئی قطب نہ کوئی ابدال، اور نہ کوئی حوروں کی ترغیب دے کر لبھانے والا۔ پھر بھی ان سب کے بغیر جاپان جنت نظیر جاپان میں پچھلے تیس سال میں چوری نہیں ہوئی، نہ کوئی قتل ہوا، کوئی بھوکا نہیں سوتا، زلزلے کے وقت کیمپوں میں سب کچھ رکھ دیا جاتا ہے، کوئی ایک چھٹانک ضرورت سے زیادہ نہیں لیتا، دیانتداری میں دنیا میں پہلے نمبر پر ہے، سڑک پر ایک کروڑ پھینک دیں کوئی نہیں اُٹھاتا۔آپ کندھا ماریں سامنے والا معذرت کرتا دکھائی دے گا، ترقی اور ٹیکنالوجی میں دنیا سے دس سال آگے جیتے ہیں، کام اتنا کرتے ہیں کہ وزیراعظم ہاتھ جوڑ کے آرام کے مشورے دے، سگریٹ کی راکھ جھاڑنے کی ڈبیا جیب میں، صفائی اتنی کہ سڑکوں میں منہ نظر آئے، پابندی وقت اتنی کہ پانچ منٹ ٹرین لیٹ ہونے پر پوری کمپنی بند اخلاق اتنا بلند آپ حیرت سے منہ تکتے رہ جائیں اخلاص مہمان نوازی اور ثقافت کمال، محبت اور وفا اتنی جاپانی بیوی پوجا کرنے لگ جائے۔آپ کو اتنا کھلائے موٹے ہونے کا خوف طاری ہو، وہاں کونسا نظام ہے۔ چاول کی فصل مرغوب غذا۔ایک دفعہ قحط پڑا، تو تیس سال کا ایسا ذخیرہ کیا کہ دنیا سے چاول نایاب ہو جائیں، لیکن ان کا ذخیرہ ختم نہ ہو، جس کے ہو گئے بس پتھر پر لکیر، نظام صحت ایسا کہ ٹوائلٹ آپ کو جسم کی پوری ڈیٹیل دے دیں۔دو نمبری اور بے ایمانی کا تصور محال، اور کیا کیا لکھیں سوچیں۔وہ کس نظام، کس کتاب کے پیروکار ہیں، یہ علم نہیں، ہاں اتنا ضرور پتہ ہے وہ نہیں ہیں۔

***

قندیل شعروسخن لندن کے زیر اہتمام عالمی مشاعرہ (زوم)

رپورٹ: عبدالحمید حمیدی کنیڈا

قندیل شعروسخن لندن کے زیر اہتمام آن لائن مشاعروں کے سلسلے کا ایک اور کامیاب مشاعرہ 2 اگست 2020ء کو منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مشہور و معروف ادبی شخصیت شاعر و ادیب نقاد، استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب نے فرمائی۔ اس مشاعرے میں ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ صاحبہ، یشپ تمنا صاحب، آصف علی آصف صاحب امن علی امن اور شمشاد شاد صاحب نے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ یو کے سے یشپ تمنا صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے نظامت کے فرائض سر انجام دیئے۔ رانا صاحب نے شعرا کرام اور شاعرات کو خوش آمدید کہا اور صاحب صدر کا تعارف کرانے کے بعد اسحاق عاجز صاحب کو نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دی۔ انہوں نے خوبصورت مخصوص انداز میں نعت پڑھی۔

اسحاق ساجد صاحب:

ہے فقط آج بھی لئے اپنا تو وہی سرمایہ ہیں
جو شام و سحر آپ کے قدموں میں گزارے
آرزُو ہے کہ لپٹ کر تیری خاک پا سے
اشک آنکھوں میں چھپے ہیں جو بہا دوں سارے

شائق نصیر پوری صاحب:

مارکیٹوں کو سنبھالا چین نے کچھ اس طرح
لنڈے بازاروں میں دلہن کے غرارے بِک رہے ہیں
ہیر کو اب جیتنا آسان ہے رانجھے کے لئے
اشتہاروں کے سہارے استخارے بِک رہے ہیں

عبدالقدیر کوکب صاحب: نے چاند دیکھنے کی بے تابی اس طرح بیان کی۔

چاند دیکھا اور خوشیاں سب منانے لگ گئے
میں تھا تنہا وہ میرے دل کو جلانے لگ گئے
میری چاہت کا تو مرکز مجھ سے کوسوں دور تھا
اس کی چاہت کے ستارے ٹمٹمانے لگ گئے

خاکسار حمیدی: کو بھی غزل سنانے کا موقع ملا۔

اس شہر میں جنگل کا لہو بول رہا ہے
کیوں خاک میں صندل کا بدن ڈول رہا ہے
آندھی ہے قیامت کی اُڑا دے گی نشیمن
طائر ہے کہ پرواز کو پرتول رہا ہے

اسحاق ساجد صاحب جرمنی: نے خوبصورت گیت سے سماں باندھ دیا۔

محبت کے منظر سجائے تھے میں نے
اندھیرے میں دیپک جلائے تھے میں نے
اے ماضی کی یادیں نہ مجھ کو جلاؤ
اگر ہوسکے تو مجھے بھول جائے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب: کا خوبصورت اندازِ بیان۔

سینے میں اُلفتوں کا خزانہ پڑا ہے بند
اَشکوں کا چشم عبد میں دریا پڑا ہے بند
مفلس نے خط جو لکھا تھا اک التجا بھرا
حاکم کی میز پر وہ لفافہ پڑا ہے بند

اثر اکبر آبادی: کا خوبصورت کلام ملاحظہ ہو۔

ان اہلِ انجمن کا روّیہ تو دیکھئے
لمحہ بہ لمحہ خوب ستایا گیا مجھے
رکھا مجھے اندھیروں میں گم اس کے بعد بھی
جگنو کی روشنی سے ڈرایا گیا مجھے

ساجدہ سلطانہ صاحب: کی خوبصورت شاعری سن کر سبھی محظوظ ہوئے۔

ہم سے لاک ڈاؤن میں دل گھر میں لگایا نہ گیا
اور گھر کو بھی قرنطینہ بنایا نہ گیا
پھرتے ہیں عید کے دن ماسک لگائے جاناں
ہم سے رُخسار پہ غازہ بھی لگایا نہ گیا

گلشن بیابانی: انڈیا سے شامل ہوئے۔

ہم نے خونِ جگر نچوڑا ہے
لوگ کہتے ہیں شاعری کی ہے
خود کو اُلجھن میں ڈال رکھا ہے
ہم نے سانپوں کو پال رکھا ہے
میرا دشمن بڑا مہذب ہے
رابطوں کو بحال رکھا ہے

ڈاکٹر ظفر اقبال جاذب کا عمدہ کلام۔

کبھی کبھی تو محبت کا مان رکھنے کو
ہم آنسوئے ہجر رقابت قبول کرتے ہیں

ہیں بے مثال وہ عشق کے مسافر جو
کڑے سفر کی مسافت قبول کرتے ہیں

مِڈل ایسٹ سے عائشہ شیخ صاحبہ نے بھی شمولیت اختیار کی۔

جو مٹی ہوں تو مٹی کا خسارہ دیکھ سکتی ہوں
مگر کیسے یہ دنیا میں دوبارہ دیکھ سکتی ہوں
خدا نے میری بینائی کو کچھ ایسا ہنر بخشا
میں آنکھیں بند کر کے بھی نظارہ دیکھ سکتی ہوں

مظفر حق مجاہد لاسٹین نے سماں باندھ دیا۔

کہنے لگی وہ مجھ سے میرے ناز اُٹھائیو
مجھ کو کسی حالت میں خطاکار نہ کہیو
کوئی بھی قدم اس کے مخالف نہ ہو ورنہ
میں میلے چلی جاؤں گی تم دیکھتے رہیو

محمود چغتائی صاحب کچھ اس طرح سے غزل سرا ہوئے۔

اس کو چھو لینے سے پہلے احساس زندگی ہوا تھا ہی نہیں
راہ زندگی ہے اس قدر کٹھن گزرتا یہاں سے تھا ہی نہیں

امین اوڈیرائی۔ سندھ سے شامل ہوئے۔

مسلسل آہٹیں سی ہو رہی ہیں
ذرا دیکھو پسِ دیوار کیا ہے
سجا کر خود کو بیٹھے سوچتے ہیں
نہ جانے قیمتِ بازار کیا ہے

سید انور ظہیر رہبر صاحب نے برلن جرمنی سے شرکت فرمائی۔

کمال گفتگو میرا نہیں فن
میں کچھ مگر کچھ بولتا ہوں
اس کو فرصت نہیں تھی سننے کی
بات گم ہوگئی ہواؤں میں

عبدالباسط انور صاحب نے دبئی سے شرکت فرمائی۔ بہت شاندار کلام پیش کیا۔

وہ ایسے اوجھل ہوا مجھ سے مجھے کسی پل قرار نہ تھا
اب لوٹ آیا بہار لے کر میں کیسے مان لوں پیار نہ تھا
میرے یہ چاروں طرف ہیں بکھرے گلاب سارے میں چوموں ماتھا
چبھے تھے کانٹے جو کچھ دنوں سے اب ان کا حساب نہ تھا

آصف علی آصف صاحب:

فکرو جمال و عاشقی شعر شعور شاعری
حسن بیان آگہی شعر شعور شاعری
سوز و گداز پیچ تاب کیف و سرور منت جواب
گاہے نگاہ آگہی شعر شعور شاعری

شفیق مراد صاحب کا کلام ملاحظہ ہو۔

کر رہی تھیں سبزہ زاروں میں جو اٹھکیلیاں
دام میں صیاد کے اب آگئی وہ ہرنیاں
موسمِ ہجراں میں وہ خود سے بھی بچھڑنے لگ گیا
میں نے سوچی بھی نہ تھیں قسمت میں ایسی دُوریاں

یشب تمنا صاحب بہت سینئر شاعر ہیں، طرح دار انداز بیان ملاحظہ ہو۔

میں پہلے اپنے لئے حوصلہ بناتا ہوں
پھر اس کے بعد کوئی آسرا بناتا ہوں
میں بے مراد نظر آرہا ہوں لوگوں کو
میں دوسروں کے لئے راستہ بناتا ہوں

محترمہ ڈاکٹر نجمہ شاھین کھوسہ صاحبہ نے بہت شاندار آواز میں نظم پیش کی۔

اک نام عید۔ مہندی کا خوشبو کا خوشیوں کا رنگوں کا
اور کانچ کی چوڑیوں کی کھنک میں بسی آرزوؤں کا
عید اُمید ہے، عید تجدید ہے، عید جیسے کوئی روشنی کی کرن
اک وعدے، کہانی، فسانے کی یا ہجرِ موسم میں لپٹے ہوئے
وصل کے دُکھ کی تمہید ہے عید اُمید ہے

آخر پر محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب صدر مشاعرہ نے مشاعرہ منعقد کرنے پر ساری ٹیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رانا عبدالرزاق خاں صاحب کو مبارکباد پیش کی۔ اور فرمایا کہ اس توسط سے بہت سے پرانے دوستوں اور شعراء سے ملاقات ہوگئی۔ اور اس قدر منفرد اور شستہ کلام سننے کو ملا کہ میں سب کا مشکور ہوں۔ اردو ادب کی خدمت کے لئے آپ سب بہت کام کر رہے ہیں۔ اور یہ ایک گلوبل ولیج بن گیا ہے۔ بین الاقوامی فورم سے اردو ادب کی آبیاری ہو رہی ہے۔ آخر پر آپ نے اپنا کلام سنایا جو کہ بہت ہی گہرا اور شستہ کلام تھا۔ آپ نے بہت سی داد سمیٹی اور اس طرح اس مشاعرے کا اختتام ہوا۔ آخر میں رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے سب مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی۔

***

جب میں دنیا سے کوچ کروں گا

شہزادہ قمرالدین مبشر

1-جب میں دنیا سے کوچ کروں گا۔تم رودو گے
بہتر اب ہی رولو میرے سامنے
2-میری گور پر پھول چڑھاؤ گے۔مجھ کو معلوم نہ ہوگا
بہتر ہے رکھو گلدان میرے سامنے
3-میرے بعد تم میری تعریف کرو گے۔مجھے تو معلوم نہ ہوگا
بہتر ہے تعریف کرو اب ہی میرے سامنے
4-میرے بعد میری خطا کو معاف کرو گے تو۔مجھے تو معلوم نہ ہوگا
بہتر ہے کہ تعریف کرو آپ ہی میرے سامنے
5-بعد میں میری خطا کو معاف کرو گے۔مجھے تو معلوم نہ ہوگا
بہتر ہے اب ہی معاف کردو میرے سامنے
6-میرے بعد تم مجھے یاد کرو گے۔مجھے تو اس کا احساس نہیں ہوگا
بہتر ہے تم مجھے اب بھی یاد کرلیا کرو
7-تم بچھتاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ۔زیادہ وقت نہیں گزارا
بہتر ہے کہ اب ہی میرے ساتھ وقت گزارا کرو
8-تم سوچو گے کہ تم میرے لئے زیادہ۔پیسہ خرچ کرسکتے تھے
بہتر ہے کہ یہ کام اب ہی کرلو
9-آج تم کئی سالوں سے مجھ سے ناراض ہو،مجھ سے بات نہیں کرتے
لیکن میری موت پہ تم آؤ گے اور تسلیاں دو گے...
بہتر ہے کہ آج ہی ناراضگی بھول جاؤ اور مجھے ملو
10-آیئے ہر ایک سے ملیئے محبت سے اخلاق سے
اپنے دوستوں رشتہ داروں اور جان پہچان والوں کو خوش کرنے کی کوشش کیجئے
11-سب کو احساس ہو کہ وہ ہمارے لئے۔خاص ہیں کون جانتا ہے
ہے وہ ہم سے یا ہم ان سے کب جدا ہو جائیں ہمیشہ کیلئے
12-دانت کتنی بار بھی زبان کو کاٹ لیں
لیکن پھر بھی زبان اور دانت اکٹھے رہتے ہیں
یعنی زبان دانتوں کو معاف کرتی رہتی ہے یہی درگزر کرنے کی روح ہے
13-ہماری دونوں آنکھیں ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتیں لیکن
یہ دونوں آنکھیں ایک ساتھ سب کچھ دیکھتی ہیں
اکٹھی جھپکتی ہیں روتی ہیں تو اکٹھی روتی ہیں۔کیا یہی اتحاد ہے
جی ہاں اتحاد اس طرح ہی ہوتے ہیں
14-کیوں نہ ہم معاف کرنے کے عمل اور اکٹھے
جینے مرنے کے عمل کو اپنی عادت بنائیں
15-میں اکیلا ہوتا ہوں تو خود بخود بول سکتا ہوں
اگر کوئی ساتھ ہو ہم باہم گفتگو کرسکتے ہیں
16-میں اکیلا ہوں تو کسی چیز کا مزہ لے سکتا ہوں
لیکن ہم اکٹھے ہوں تو جشن منا کر مزے لے سکتے ہیں
17-میں اکیلا ہوں تو مسکرا سکتا ہوں اگر ہم
اکٹھے ہوں تو ہنسی خوشی سے قہقہے بھی لگا سکتے ہیں
18-یہ تمام باتیں انسانی رشتوں کی خوبصورتی ہے
یہ بات حقیقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بغیر کچھ بھی نہیں،رابطے میں رہیئے
19-شیو کرنے والا بلیڈ بہت تیز ہوتا ہے مگر ہم
اس سے درخت نہیں کاٹ سکتے مگر ایک کلہاڑا بہت مضبوط ہوتا ہے۔
لیکن ہم اس سے شیو نہیں بنا سکتے
20-اپنے ارادوں کے سبب سے ہر انسان اہمیت کا حامل ہے اگر کسی کے جوتوں کی
تعریف نہیں کرنی تو اس کے پاؤں کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں
21-یہ سب باتیں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ شیئر کریں

مسکان علی

اپنی وفات سے قبل ایک والد نے اپنے بیٹے سے کہا، میری یہ گھڑی میرے والد نے مجھے دی تھی جو کہ اب 200 سال پرانی ہوچکی ہے۔لیکن اس سے پہلے کہ یہ میں تمھیں دوں کسی سنار کے پاس اس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ پھر دیکھو وہ اس کی کیا قیمت لگاتا ہے۔ بیٹا سنار کے پاس گھڑی لے گیا۔واپس آ کر اس نے اپنے والد کو بتایا کہ سنار اسکے 25 ہزار قیمت لگا رہا ہے، کیونکہ یہ بہت پرانی ہے۔والد نے کہا کہ اب گروی رکھنے والے کے پاس جاؤ۔ بیٹا گروی رکھنے والوں کی دکان سے واپس آیا اور بتایا کہ گروی رکھنے والے اس کے 15 سو قیمت لگا رہے ہیں کیونکہ یہ بہت زیادہ استعمال شدہ ہے۔اس پر والد نے بیٹے سے کہا کہ اب عجائب گھر جاؤ اور انہیں یہ گھڑی دکھاؤ۔ وہ عجائب گھر سے واپس آیا اور پرجوش انداز میں والد کو بتایا کہ عجائب گھر کے مہتمم نے اس گھڑی کے 8 کروڑ قیمت لگائی ہے کیونکہ یہ بہت نایاب ہے اور وہ اسے اپنے مجموعہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔اس پر والد نے کہا، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صحیح جگہ پر ہی تمھاری صحیح قدر ہوگی۔اگر تم غلط جگہ پر بے قدری کئے جاؤ تو غصہ مت ہونا۔صرف وہی لوگ جو تمھاری قدر پہچانتے ہیں وہی تمھیں دل سے داد دینے والے بھی ہوں گے۔اسلئے اپنی قدر پہچانو، اور ایسی جگہ پر مت رکنا جہاں تمہاری قدر پہچاننے والا نہیں۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

دکھوں کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو اشک اپنے تمام لکھوں
لہو میں ڈوبیں جو حرف سارے، امام تیرا سلام لکھوں
وہ جس نے سجدے میں سر کٹا کے ہمیں نوازا بلندیوں سے
وفا کے سجدوں کے شاہ کو ہی میں آج شاہ و امام لکھوں
یہاں سکینہ کا، اصغر، اکبر کا اور قاسم کا تذکرہ ہے
ورق ورق پر ہیں اشک پھیلے میں حرف حرف احترام لکھوں
مجھے شہیدوں کا ذکر کرنا ہے سوچ کو معتبر تو کر لوں
قطار میں سارے لفظ رکھوں، ملے جنہیں پھر دوام لکھوں
ہماری گلیوں میں قتل کب تک روا رہے گا، سوال پوچھوں
ہمارے ظلمت کدے میں کب ہوگا روشنی کا قیام لکھوں
یہی تقدس ہے اب تو میرا، اسی سے نجمہ مری حفاظت
میں اپنی چادر کے چاروں کونوں پہ بی بی زینب کا نام لکھوں

بیماریاں اور گھریلو ٹوٹکے
عائشہ شارق

کمزور بینائی
☆ اگر بینائی کمزور ہو جائے تو 4 دام ایک چٹکی سونف سوتے وقت روز کھانے سے نظر تیز ہو جائے گی۔

سریلی آواز
☆ اگر آواز بیٹھ جائے تو گڑ ڈال کر چاول پکائیں رات کو خوب پیٹ بھر کر کھائیں اور کچھ دیر بعد گرم پانی کے 2 گھونٹ پی لیں دو تین دن ایسا کرنے آواز کھل کر سریلی ہو جائیگی۔

دانتوں کا درد
☆ دانتوں کے درد کے لیے ضروری ہے کہ آپ روزانہ کسی اچھے ٹوتھ پیسٹ سے صبح و شام برش کریں اور اگر کسی ایک دو دانت میں درد ہو تو ادرک کا ٹکڑا دانتوں میں دبا لیں یا لونگ دبا لیں۔
☆ ایک تولہ دھنیا لے کر پانی میں جوش دے کر اس سے کلی کریں اس طرح دانت کے درد کی وجہ سے ہونے والی سوزش کا خاتمہ ہو جائے گا۔

کان کا درد
☆ کان کے درد میں کان میں پانی چلا جائے تو کوئی دوا استعمال کرنے کے بجائے صرف الٹے پاؤں چلنے سے پانی نکل جائے گا۔
☆ روغن زیتون یا روغن گل سفید انڈہ ہم وزن لے کر مکس کریں اور کان میں چند قطرے ڈالیں درد غائب ہو جائے گا۔

ذہنی تھکن
☆ دماغی کام کرنیوالے گوشت کو ترک کر کے اگر صرف پھل اور سبزیاں کھائیں تو ان کو ذہنی تھکن محسوس نہ ہو گی۔

کمزور حافظہ
☆ حافظہ بہتر بنانے کے لیے تھوڑی سی کالی مرچ اور تین چار بادام لے کر پیس لیں اور نہار منہ کھائیں کچھ ہی دنوں میں قوت حافظہ تیز ہو جائے گی۔

گلے کی خراش
☆ بیری کی چھال 135 گرام انار کی چھال 35 گرام ایک لیٹر پانی میں ابال لیں اور چھان لیں اور اس پانی سے روز دن میں دو تین بار کلی کریں۔
☆ پھل کھانے کے فوراً بعد پانی نہیں پینا چاہیے ورنہ گلے میں خراش ہو جائے گی۔

دبلا پن
☆ انجیر کم از کم 10 عدد روزانہ کھانے سے دبلے افراد موٹے ہو سکتے ہیں۔

مہاسے
☆ انڈے کی زردی اور رحل کو کوٹ کر مکس کر لیں اور پھوڑے پھنسیوں پر لگائیں داغ اور پھنسی دونوں غائب ہو جائیں گے۔

بخار کی شدت
☆ سرکہ اور عرق گلاب کو ملا کر پانی میں ڈالیں اور پٹیاں پانی میں بھگو کر سر پر رکھیں بخار کی شدت کم ہو جائے گی۔

دماغی کمزوری
☆ صبح نہار منہ ڈھائی تولے مکھن یا 5 تولہ بالائی میں چینی اور کلونجی کا تیل 5 قطرے ملا کر چکھیں دماغی کمزوری دور ہو جائے گی۔

آبلا
☆ اگر جسم جل جائے تو ہرا دھنیا پیس کر جلے حصے پر اچھی طرح لیپ کریں تو آبلہ نہیں پڑے گا جلن بھی محسوس نہیں ہو گی۔

لو سے بچاؤ
☆ کچے آم کو آگ پر بھون کر اس کا رس نکال لیں اور اس میں گڑ کا شربت ملا کر مریضوں کو پلائیں لو لگنے والے مریض کو فائدہ ہو گا۔

سر کی خشکی
☆ کسی برتن میں اتنا پانی لیں کہ آپ کے بالوں میں لگ جائے اس پانی میں چند قطرے ڈیٹول کے ڈال دیں پھر اس پانی کو اچھی طرح سر کے بالوں کی جڑوں میں لگائیں اور دس منٹ کے بعد سادہ پانی سے سر دھو لیں سر کی خشکی ختم ہو جائے گی۔

نکسیر
☆ جن کی نکسیر پھوٹتی ہو وہ کسی بھی وقت یا خون بند ہونے کے بعد دونوں نتھنوں میں ایک ایک قطرہ تازہ لیموں کا رس ٹپکانے سے نکسیر دوبارہ نہیں پھوٹے گی۔

داد
☆ چنبیلی کا رس ایک تولہ لیں اور اس میں روغن صندل ایک ماشہ اور کافور ایک ماشہ ڈالیں اور ان سب کو کھرل کر کے مکس کر لیں اور داد کی جگہ پر لگائیں چند دنوں میں داد ختم ہو جائے گا۔

بالوں کی چمک
روکھے بالوں میں چمک پیدا کرنے کیلئے سر دھونے کے بعد ایک مگ پانی میں ایک لیموں کا رس ملا کر سر میں ڈالنے سے بالوں میں چمک آ جاتی ہے۔

سیاہ کیلوں کا خاتمہ
ناک پر اچھی سی کولڈ کریم سے مساج کرنے کے بعد ململ کے کپڑے سے کریم اتار لیں۔ اب لیموں کے رس دار چھلکے ناک پر رگڑیں اور کیلوں کو ہاتھوں سے دبا کر نکال دیں۔

چہرے کے نشانات
گرمی کے موسم میں دھوپ سے چہرے پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ اس کیلئے ایک لیموں کے رس میں ایک چائے کا چمچ شہد ملا کر ماسک تیار کر لیں اور 10 منٹ بعد چہرہ دھو لیں۔ نشان آہستہ آہستہ ختم ہونے لگیں گے۔

پیروں پر سیاہ نشانات
پیر دھونے کے بعد ایک لیموں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر لیں اور جو کا آٹا لگا کر پیروں کا مساج کریں تا کہ لیموں کا رس پاؤں میں جذب ہو جائے۔ 5 منٹ بعد پاؤں دھو کر پٹرولیم جیلی لگا دیں۔

چکنی جلد کی صفائی
چکنی جلد کیلئے ایک لیموں کے رس میں ایک کھانے کا چمچ بیسن اور 2 چائے کے چمچ عرق گلاب ملا کر ماسک تیار کر لیں اور 10 منٹ بعد دھو لیں۔

گردن کی صفائی
ایک لیموں کا چھلکا تقریباً آدھا کپ پانی میں ابال کر ٹھنڈا کر لیں۔ اب اس میں 4 کھانے کے چمچ بیسن یا اتنی ہی مقدار میں جو کا آٹا اور ایک چٹکی ہلدی ملا کر پیسٹ بنا لیں۔ اس سے گردن کا مساج کریں اور پانی سے دھونے کے بعد کسی کریم میں چند قطرے عرق گلاب ملا کر لگائیں۔ یہ مساج ایک ہفتہ مسلسل کریں۔ اس سے گردن کی سیاہی دور ہوتی ہے۔

ناخن کی چمک
لیموں کے چھلکے سے جس میں نمی موجود ہو ناخن کا مساج کریں، ناخن صاف اور چمک دار ہو جائیں گے۔
☆

''شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے''

مولانا مفتی محمود

''شکر ہے کہ میں پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھا'' یہ بیان مولانا مفتی محمود نے ۱۹۷۱ میں سقوط ڈھاکہ کے بعد دیا۔ یہ جماعت (جمیعت علمائے ہند) پاکستان کی مخالف رہی اور اب تک مخالف ہے۔ یہاں جمیعت علمائے پاکستان پاکستان کے سربراہ مولانا مفتی محمود ہوئے۔ اب اس کے سربراہ ان کے بیٹے مولانا فضل الرحمن ہیں۔ جس کے پانچ بھائی ہیں۔ ان کا ایک بھائی ضیاء الرحمن پی ٹی سی ایل میں ملازم تھا۔ جس کو نواز شریف نے سیاسی رشوت کے طور پر بغیر کسی سول سروس امتحان کے ڈی سی خوشاب لگایا۔ یہ شخص انتہائی جنسی شوقین ہے۔ راشی ہے۔ سرکاری طور پر مسلمان کہلاتا ہے۔ سود خور اور حرام خور بھی ہے۔ مولانا مفتی محمود کی ساری اولاد حرام خور ہے اور ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتی ہے۔ یہ لوگ ہر حکومت میں شریک رہنا پسند کرتے ہیں۔ عمران خان کے بدترین لوگوں سے بھی یہ جمیعت انتخاب ہار چکی ہے۔ کرپٹ اور بدکردار لوگ ہیں یہ۔ ان لوگوں کے کردار اور بدمعاشیاں ان کے علاقوں میں دیکھیں۔ لوگ ان کے ظلم سے تنگ آ کر پی ٹی آئی میں شامل ہو چکے ہیں۔ سیاسی لوگ انکا منہ بند کرنے کے لئے ان کو کچھ نہ کچھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ منحوس اور بدمعاش ضیاء الرحمن نے چک نمبر ۲ ٹی ڈی اے خوشاب کے احمدیوں کی ستر سال پہلے بنائی گئی مسجد زبردستی چھین کر اکتوبر ۲۰۱۵ میں قائد آباد کے ایک لوٹی اطہر شاہ کو دے دی۔ پھر اس ظلم کو خدمت اسلام سمجھ کر جشن منایا گیا۔ جس میں اس علاقے کے سب ہم جنس پرستوں نے حصہ لیا۔ احمدیوں نے قانونی چارہ جوئی کی مگر ان کو انصاف نہ مل سکا۔ اب وہ مسجد بھی حجرہ بازی کی بھینٹ چڑھ چکی ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کا عدل فاروقی۔ نام نہاد مسلمان مشٹنڈے زبردستی مساجد کو چھین رہے ہیں۔ اگر یہ اسلام ہے تو کون ایسے ظلم کو برداشت کرے گا۔ یہ خاندان صدیوں سے پاکستان کا دشمن ہے۔ مولانا فضل الرحمن خود اسلام میں عورت کی حکمرانی کے خلاف تھے۔ جب بے نظیر آئی تو اس نے اسے سجدہ کر دیا۔ اور کشمیر کمیٹی کے صدر بن کر بیس سال خوب مزے لئے۔ یہ ہے ان کی مسلمانی۔ یہ لوگ RAW کے ایجنٹ ہیں۔ جمیعت العلماء کی صد سالہ برسی پر جب مولانا فضل الرحمن انڈیا گئے تو خوب پاکستان کے نظریئے کے خلاف بولے۔ اور اپنے والد مرحوم کی طرح حقِ نمک ادا کیا۔ ایک اس کا کزن فی جی میں ہے۔ جو جوئے اور شراب کے کلبوں کا مالک ہے۔ مولانا فضل الرحمن کے دادا نے بھی انگریز سے مفادات لئے تھے۔ یہ لوگ غدار ابن غدار ہیں۔ اس نے مشرف حکومت سے بھی ہزاروں ایکڑ اراضی کوڑیوں کے مول لی تھی۔ اس ملک نے ان جیسے غداروں نے لوٹا ہے اور عطاء اللہ شاہ بخاری کے شاگردوں نے لوٹا ہے۔ جو قائداعظم کو کافر اعظم اور پاکستان کو پلیدستان کہتے تھے۔ اللہ میرے ملک کی حفاظت کرے آمین۔

***

منیر جعفری

یہ زمیں جو ثقافت میں زرخیز تھی اس کو کیا ہوگیا
اس کی شرحِ نمو تو بہت تیز تھی اسکو کیا ہوگیا
اب صراحی کے دامن میں کچھ بھی نہیں خامشی کے سوا
میری تاریخ لوگوں سے لبریز تھی اسکو کیا ہوگیا
تیری دنیا کو نزدیک سے دیکھ کر خود پہ افسوس ہے
اسکی تصویر کتنی دل آویز تھی اسکو کیا ہوگیا
تم نے بارود کی تھیلیوں میں جنا تھا نئی نسل کو
آج کہتے ہو یہ امن انگیز تھی اسکو کیا ہوگیا
اسکی خاکِ شفا سے جلا پا گئے کتنے رومی یہاں
یہ زمیں اپنی شوکت میں تبریز تھی اسکو کیا ہوگیا
تجھ بدن کے مناظر کی نظارگی ہے خزاں یافتہ
یہ سیاحت بڑی لطف انگیز تھی اسکو کیا ہوگیا
پکے رنگوں میں رنگی ہوئی عورتیں کتنی نایاب ہیں
یہ محبت جو مشاق رنگریز تھی اسکو کیا ہوگیا
زندگی اپنی ترسیل کا مرحلہ طے نہیں کر سکی
ورنہ رفتار میں موت سے تیز تھی اسکو کیا ہوگیا
پیڑ کی چھال بھی کاٹنے کا جتن کر نہیں پائے گی
میری تلوار فطرت میں خوں ریز تھی اسکو کیا ہوگیا
شخصیت کے تناسب میں بے چارگی بڑھ رہی ہے منیرؔ
یہ کہانی بہت ہی جنوں خیز تھی اسکو کیا ہوگیا

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

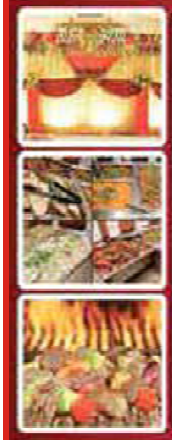

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

SHARIF JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

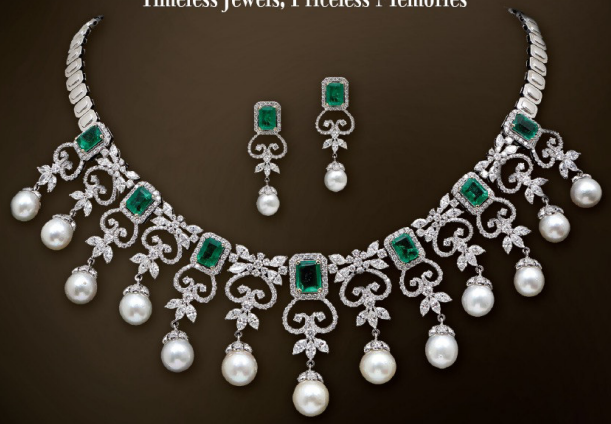

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 0774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈو، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)